سو سال بعد

نسیم حجازی

جہانگیر بک ڈپو

لاہور • راولپنڈی • ملتان • حیدرآباد • کراچی

دلچسپ پہلو

ایٹم بم کو ایجاد ہوئے، قریباً ایک سو تیس برس گزر چکے تھے۔ فرزندانِ آدم کی ایک اچھی خاصی تعداد کرۂ ارض کو چھوڑ کر مریخ پر آباد ہو چکی تھی۔ اس نئی دنیا میں بھی چونکہ مغرب کی سفید فام اقوام کے لوگ پہلے قدم جما چکے تھے۔ اس لیے مشرقی ممالک اور بالخصوص ہندوستان کے باشندوں کی راہ میں انھوں نے ایسی رکاوٹیں پیدا کر دیں جن کے باعث ان کی بہت تھوڑی آبادی مریخ میں منتقل ہو سکی۔

کرۂ ارض سے مریخ تک پاسپورٹ دینے کا کام جس کمیٹی کو سونپا گیا۔ اس کا صدر ایک ایسا شخص تھا۔ جس کا جدِّ امجد کسی زمانے میں جنوبی افریقہ میں ایک ممتاز عہدے پر فائز رہ چکا تھا۔ اور جس کو سیاہ فام اقوام سے نفرت ورثہ میں ملی تھی۔ بدقسمتی سے وہ ڈاکٹر بھی تھا اور اس نے اعلان کیا کہ مریخ کی آب و ہوا سیاہ فام لوگوں کو راس نہیں آ سکتی۔ لیکن جب اس پر بھی ہندوستان اور ایشیا کے دیگر ممالک کے چند باشندے مریخ پر جانے پر آمادہ ہو گئے تو اس نے مریخ کے پاسپورٹ کے لیے صحت اور تعلیم کا ایسا معیار پیش کر دیا جس پر مشرق کے بہت کم باشندے پورے اترتے تھے۔

ان وجوہات کے باعث ہندوستان کے بہت کم باشندے مریخ پر آباد ہو سکے۔ مریخ میں انسانوں کے آباد ہونے سے چند سال بعد وہاں کے مرکزی ریڈیو اسٹیشن

سے کئی مہینے "گزشتہ صدی میں زمین پر ہمارے بزرگوں کی زندگی کے" دلچسپ پہلو" کے عنوان سے مضامین کا ایک سلسلہ نشر ہوتا رہا۔

اہل زمین کے لیے یہ بات پریشانی کا باعث تھی کہ مریخ کے ریڈیو اسٹیشن سے انھیں مخاطب کرنے والے تمام مضمون نگار اُن پر پھبتیاں کستے ہیں۔ مریخ میں جا بسنے والا روسی روسیوں کا، امریکی امریکنوں کا اور چینی چینیوں کا مذاق اڑاتا تھا۔ کرۂ ارض کے اخبارات کی متفقہ رائے یہ تھی کہ مریخ کی آب و ہوا وہاں آباد ہونے والوں کو اہل زمین کے متعلق بہت تنگ نظر بنا دیتی ہے۔ اس سلسلے کے مضامین میں ہندوستانی ناشر کا مضمون جو مریخ کے ریڈیو اسٹیشن سے پانچ قسطوں میں براڈ کاسٹ کیا گیا۔ باقی تمام مضامین سے دلچسپ تھا اور اس مضمون کے اختتام پر جب مریخ ریڈیو کے ڈائریکٹر نے یہ اعلان کیا کہ فاضل ججوں نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ گذشتہ صدی میں زمین پر ہمارے بزرگوں کی زندگی کے دلچسپ پہلو" کے عنوان سے جتنے مضامین نشر ہوئے ہیں۔ ہندوستانی مضمون نگار کا مضمون ان سب سے بہتر ہے۔ اس لیے انھیں پہلا انعام دیا جاتا ہے تو ہندوستانیوں کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔

اس کتاب کے مصنف کے خیال میں وہ طویل اور دلچسپ مضمون یہ تھا۔

تقسیمِ ہند سے پہلے

بیسویں صدی کے وسط میں کانگرس ورکنگ کمیٹی کے خفیہ اجلاس کے بعد راشٹر پتی کلجگ خان کا یہ اعلان شائع ہُوا۔

گزشتہ دس برس میں ہماری تمام دیانت دارانہ کوششوں کے باوجود مسلم لیگ پاکستان کے مطالبے سے دستبردار نہیں ہوئی۔ تاہم یہ تسلیم کرنے کیلئے ہم اب بھی تیار نہیں کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد سیاسی نمائندہ جماعت ہے۔ تازہ انتخابات ہمارا یہ دعوے ثابت کرتے ہیں کہ اگر تمام مسلمانوں میں سے نہیں تو کم از کم سمجھ دار مسلمانوں میں سے جن کی تعداد دس کروڑ میں صرف ایک لاکھ ہے۔ دو فیصدی یقیناً ہمارے ساتھ ہیں۔ اور اگر ان مسلمانوں کی رائے کو ان کے علم وفضل کے اعتبار سے پرکھا جائے تو ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں کہ ان کے سامنے باقی ۹۸ فی صدی مسلمان سیاست دانوں کی رائے کوئی وقعت نہیں رکھتی۔

کانگرس ورکنگ کمیٹی چند دنوں کے غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ پاکستان کا مطالبہ ان غلط فہمیوں کی پیداوار ہے جو مسلمانوں کو اپنے ہندو بھائیوں کے متعلق پیدا ہو چکی ہیں ان کے لیڈر پاکستان کی دھمکی دے

کر کانگرس کو مجبور کرنا چاہتے ہیں کہ وہ مسلم اقلیّت کے لیے تحفظات کا اعلان کرے لیکن انھوں نے یہ نہیں سوچا کہ جمہوری حکومت میں باہمی اعتماد تحفظّات سے زیادہ سود مند ہوتا ہے۔ بہر حال اس بات سے قطع نظر کہ کانگرس میں مسلمانوں کے ایک باسمجھ طبقہ کی موجودگی میں تحفظات کے اعلان کی ضرورت بھی ہے یا نہیں میں نے اپنے مسلمان بھائیوں کے شبہات دُور کرنے کے لیے چند تجاویز کانگرس ورکنگ کمیٹی کے سامنے پیش کی تھیں اور میں انتہائی مسرّت کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہوں کہ یہ تجاویز کسی ردّو بدل کے بغیر منظور کر لی گئی ہیں۔ کانگرس ہائی کمانڈ نے لیگ ہائی کمانڈ کے نام ایک مراسلہ میں یہ درخواست کی ہے کہ وہ ان تحفظات پر غور کرے اور اگر لیگ ہائی کمانڈ نے سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا تو پاکستان کا جھگڑا ختم ہو جاتا ہے اور نیا دستور اساسی جسے ہمارے دیش کے مفکّر مولانا ابن الوقت نے مرتب کیا تھا۔ نافذ کیا جا سکے گا۔ مندرجہ ذیل تحفظّات کے اعلان کے بعد آل انڈیا کانگرس مسلم لیگ کے لیڈروں سے یہ توقع رکھتی ہے کہ وہ کانگرس کی طرح فراخدالی سے کام لیتے ہوئے ہماری طرف تعاون کا ہاتھ بڑھائیں گے۔ ان تحفظّات کے علاوہ کانگرس مسلمانوں کی تعلیمی اور اقتصادی پسماندگی کو مدّ نظر رکھتے ہوئے انھیں بعض مراعات دینے کا اعلان کرتی ہے۔

تحفظات

۱۔ مرکزی اور صوبائی حکومتیں مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کریں گی۔

۲۔ مسلمانوں کو کسی خاص قسم کا لباس پہننے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ سرکاری ملازم اگر دھوتیاں پہننا چاہیں تو حکومت انھیں بازار سے ۲۵ فیصدی کم نرخ پر مہیا کرے گی اور ان کی دُھلائی کے بل ادا کرے گی۔ گاندھی ٹوپی ہر سرکاری ملازم کو مفت مہیا کی جائے گی لیکن مسلم اکثریت کے صوبوں میں سرکاری افسروں کو اس بات کی اجازت ہوگی کہ وہ اسے سبز رنگ دے سکیں۔

۳۔ سرکاری مدارس میں قومی ترانہ بندے ماترم ہوگا لیکن جن مدارس میں مسلمان بچّوں کی اکثریت ہوگی ان کے لیے اس کا عربی ترجمہ رائج کیا جائے گا۔

۴۔ مسلمانوں کو داڑھیاں رکھنے کی عام اجازت ہوگی لیکن مونچھیں ایسی نہ ہوں۔ جو دیکھنے والوں کو مرعوب کر سکیں۔

۵۔ مسلمانوں کو گوشت کھانے کی عام اجازت ہوگی۔

۶۔ وہ اپنی تمام مذہبی رسومات بجا لانے میں آزاد ہوں گے (لیکن دفعات ۵۔۶، صرف اسی صورت میں واپس لی جا سکتی ہیں کہ جب کہ کم از کم اٹھارہ آزاد خیال مسلمان ان کے خلاف فتویٰ دے چکے ہوں)

۷۔ مسلمانوں کو ہندوستانی زبان جسے مسلم اکثریت کے صوبوں میں اُردو بھی کہا جا سکتا ہے بولنے اور لکھنے کی عام اجازت ہوگی۔ چونکہ اکثریت اسے دیوناگری رسم الخط میں لکھنا پسند کرتی ہے اس لیے جو لوگ اسے فارسی رسم الخط میں لکھنے پر مصر ہوں۔ ان کے لیے ضروری ہوگا، کہ وہ مسلم آبادی کے حقوق کے تناسب کا لحاظ رکھتے ہوئے ہر چار سطروں میں سے ایک سطر فارسی رسم الخط میں لکھیں اور باقی تین دیوناگری رسم الخط میں۔ صرف ایک کتاب کی صورت میں ۲۵ فی صدی صفحات اکٹھے

فارسی رسم الخط میں لکھے جا سکتے ہیں۔

مراعات

۱۔ ہندو اکثریت کے حقوق میں سے ۲۰ فی صدی اُن مسلمانوں کے لیے مخصوص کیے جائیں گے جو جیورکشا اور گوشت نہ کھانے کا وعدہ کریں گے۔

۲۔ اہنسا پرمودھرما کی تبلیغ کے لیے سرکاری خرچ پر جو ادارہ کھولا جائے گا۔ اس میں ننانوے فی صدی ملازمتیں مسلمانوں کو دی جائیں گی۔

۳۔ سکولوں میں سریلی آواز سے بندے ماترم کا ترانہ پڑھنے والے مسلمان بچوں کو سرکاری وظائف دیئے جائیں گے۔

۴۔ ہندو اکثریت کے حقوق میں سے ۲ فیصدی اُن مسلمانوں کے لیے مخصوص کیے جائیں گے جن کے نام خالص بدیشی ہونے کی بجائے آدھے دیسی اور آدھے بدیشی ہوں مثلاً یوسف گوپال اور خان چند وغیرہ۔ لیکن حقوق کی تقسیم میں اُن مسلمانوں کو ترجیح دی جائے گی جن کے نام کا زیادہ حصّہ سودیشی ہو۔ مثلاً داؤد پرتھوی راج اور موسیٰ رام لوہان چند وغیرہ۔

۵۔ نیشنل فلم انڈسٹری میں پچاس ۵۰ فی صدی ملازمتیں مسلمانوں کے لیے وقف کی جائیں گی۔

۶۔ گھر یا اسکول سے بھاگ جانے والے مسلمان بچوں کو ریل گاڑی میں بلاٹکٹ سفر کرنے کی اجازت ہوگی۔

ان اعلانات کے ایک ماہ بعد مسلم لیگ ہائی کمانڈ کی طرف سے یہ اعلان شائع ہوا کہ مسلم لیگ، کانگرس کے اُن تحفظات اور مراعات کو

غیور مسلمان کیساتھ ایک دلچسپ مذاق کے سوا کوئی حیثیت نہیں دیتی۔ مسلمان پاکستان کے سوا کچھ نہیں چاہتے۔

لیگ کے اس اعلان کے بعد واردھا میں کانگرس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس بلایا گیا۔ تیسرے دن ہندوستان کے تمام اخبارات میں کانگرس ورکنگ کمیٹی کے ایک ممبر سیٹھ دولت رام کی یہ تقریر شائع ہوئی:۔

"دس برس قبل ہمیں کلچگ خان نے یقین دلایا تھا کہ وہ کانگرس کے راشٹرپتی بن کر مسلمانوں کو راہِ راست پر لا سکیں گے اور اس مقصد کے حصول کے لیے ہم انھیں ہر ممکن سہولت مہیا کرتے رہے۔ ہم نے کروڑوں روپیہ کانگرس کو دان کیا اور راشٹرپتی کی ہدایت کے مطابق یہ روپیہ مسلمانوں کو کانگرس میں لانے کے لیے صرف کیا گیا لیکن غیر لیگی مسلمانوں کی جماعتیں جنھیں مسلم لیگ کے مقابلہ کے لیے تیار کرنے میں راشٹرپتی کلچگ خان نے کانگرس کے تمام ذرائع وقف کر دیئے تھے۔ اب اپنی سیاسی اہمیت کھو چکی ہیں۔ عام مسلمان ان کے نام سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ مجھے یہ کہتے ہوئے دُکھ ہوتا ہے کہ ہم نے گزشتہ جنگ میں انتہائی ایمانداری کے ساتھ جو دولت جمع کی تھی۔ اس کا بہت سا حصّہ مسلمانوں کو کانگرس میں لانے پر صرف ہو چکا ہے۔ اگر کامیابی کی کوئی توقع ہو تو ہم اور بھی خرچ کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن ریت پر پانی ڈالنا بے وقوفی ہے۔ راشٹرپتی کلچگ خان نے ہمیں غلط فہمی میں مبتلا رکھا۔ وہ غیر لیگی جماعتوں کے غیر ذمہ دار لیڈروں کے متعلق یہ کہتے رہے کہ اگر ان کے راستے میں اقتصادی مشکلات حائل نہ ہوں تو وہ لیگ کو چاروں شانے چت کر سکتے ہیں۔ ہم نے راشٹرپتی کی سفارش پر اُن کی مالی مشکلات دور کیں اور صرف مالی مشکلات ہی نہیں ہم نے ان کی ہر مشکل دور کی وہ گمنام تھے اور ہم نے

اپنا سارا پریس اُن کے پروپیگنڈا کے لیے وقف کر دیا۔ ان میں سے
بعض ایسے تھے جن کے گھر میں آئینہ تک نہ تھا۔ لیکن ہم نے ان
کے سات سات رنگ کے فوٹو شائع کیے۔ بعض ایسے تھے جنھوں
نے شاید پہلے ریل گاڑی میں بھی سفر نہ کیا تھا لیکن ہم نے ہوائی جہازوں
پر سیر کرائی۔ بعض جماعتوں کے افراد انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔ لیکن
ہم نے دن رات جھوٹ بول کر انھیں کی تعداد کروڑوں ثابت کرنے
کی کوشش کی۔

لیکن ان سب باتوں کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے ہمیں اس
تکلیف دہ حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ آج ہم اکھنڈ ہندوستان
کی حمایت میں ایک فی صدی مسلمان کے ووٹ بھی حاصل نہیں کر سکتے
اب مسلمانوں کی مدافعانہ اسپرٹ انتظامی جذبے میں تبدیل ہو رہی ہے
ہمیں اب اس بات کا اعتراف کر لینا چاہیئے کہ ہندوستان کا مسئلہ دو
قوموں کا مسئلہ ہے اور یہ مسئلہ خواہ آج حل ہو۔ خواہ دس سال کے بعد
حل ہو اس کی صورت صرف یہ ہوگی کہ ہندو اور مسلمان کسی ایک نظریئے
پر متفق ہو جائیں۔ مجھے انتہائی دُکھ اور تکلیف سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ گزشتہ
چند برس ہمارے مسلمان راشٹرپتی اور ان کی تائید کرنے والے مسلمان
ہندو قوم اور مسلم قوم کے درمیان سمجھوتہ کی راہ میں ایک رکاوٹ بنے رہے
انھیں مسلمانوں کی سیاسی بیداری کے متعلق غلط فہمی تھی اور ہمیں مسلمانوں
میں ان کے اثر و رسوخ کے متعلق غلط فہمی تھی اور یہ غلط فہمیاں آج تک
ہندو مسلم سمجھوتہ کی راہ میں رکاوٹ بنی رہیں۔ میں یہ ماننے کے لیے تیار
ہوں کہ راشٹرپتی ایک بیدار مغز انسان ہیں اور انھوں نے مسلمانوں کے

لیے جن تحفظات اور مراعات کا اعلان کیا ہے وہ کانگرس کی وسیع النظری
کا ثبوت تھیں لیکن اس بات کا کیا علاج کہ مسلمان کانگرسی مسلمانوں کی ہر
بات کو شک و شبہ سے دیکھتا ہے۔ ہو سکتا تھا کہ ایسا اعلان اگر کسی ہندو
راشٹرپتی کی طرف سے ہوتا تو مسلمان اس پر توجہ دیتے۔ اب میں کانگرس
سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی پالیسی تبدیل کر لے اور مسلمان کو کسی فارمولے
پر رضامند کرنے کی کوشش کرے ورنہ یہ ایک حقیقت ہے کہ شمال
مغربی ہندوستان کا ہر مسلمان ہمارے لیے محمود غزنوی بن رہا ہے اگر مسلمان
پاکستان کے بغیر کسی اور بات پر رضامند ہونے کے لیے تیار نہ بھی ہوں تو
بھی میں ان کے ساتھ مصالحت ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ مسلمان ہمارے
ساتھ ایک دفعہ جو معاہدہ کر لیں گے اس پر پابند رہنے کے لیے وہ مذہبی
طور پر مجبور ہوں گے۔ ورنہ مجھے ڈر ہے کہ اس وقت زمین پر جاگنے والا
مسلمان کسی دن ہواؤں میں اُڑنے لگ جائے گا اور ہم پاکستان دے کر بھی
اس کی تسلی نہ کر سکیں گے۔ اس لیے میں کانگرس سے یہ اپیل کروں گا کہ
وہ از سرِ نو مسلم لیگ کے ساتھ سمجھوتے کی بات چیت کرے اور
اس کے لیے ضروری ہے کہ ۹۹ فیصدی ہندو جماعت یعنی کانگرس
کا راشٹرپتی ایک مسلمان کی بجائے ایک ہندو ہو۔

راشٹرپتی کلنگ خان کو ہم نے ایک سال کی بجائے کئی سال
کانگرس کی کرسئ صدارت سنبھالنے کا موقع دیا۔ انھیں اپنی ناکامی کا اعتراف
ہے اور میں نہایت ادب و احترام کے ساتھ ان کی خدمت میں
عرض کرتا ہوں کہ وہ اب ریٹائر ہو جائیں اور اسٹیج پر بیٹھ کر مسلمانوں کو ہم
سے بدظن کرنے کی بجائے پس پردہ رہ کر ہمیں اپنے مفید مشوروں

سے مستفید کرتے ہیں۔"

تین دن کے بعد اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ راشٹرپتی کلجگ خان مستعفی ہوگئے ہیں اور بیس دن کے بعد یہ خبر شائع ہوئی کہ مہاشے ہیرالال کانگرس کے راشٹرپتی منتخب ہوئے ہیں۔ ایک ماہ کے بعد معلوم ہوا کہ راشٹرپتی ایک گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر ایک کتاب بعنوان "ہندوستان کی آزادی میں ہمارا حصّہ" لکھ رہے ہیں۔

مصالحت

مورّخ ان تمام واقعات کا ذکر غیر ضروری سمجھتا ہے جو ہندوستان میں دو آزاد اور خودمختار سلطنتوں کے قیام سے پہلے پیش آئے۔ بہرحال یہ واقعات ایسے تھے، کہ انٹرنیشنل سیکورٹی کانفرنس نے تین نامور ججوں کا ایک ٹربیونل ہندوستان بھیجا۔ لیکن اس کی آمد سے پہلے ہی پانی پت میں لیگ اور کانگرس کے نمائندوں کی کانفرنس ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کر چکی تھی اور "معاہدہ پانی پت" پر مسلم لیگ کے صدر اور کانگرس کے راشٹرپتی کے دستخط ہو چکے تھے۔

چین کا ایک سیاح جو اس معاہدہ کے وقت موجود تھا۔ لکھتا ہے یہ معاہدہ نہایت دوستانہ فضا میں طے ہوا۔ دستخط کرنے کے بعد کانگرس کے راشٹرپتی نے مسلم لیگ کے صدر کو اپنا قلم پیش کرتے ہوئے کہا کہ میری طرف سے یہ تحفہ قبول کیجئے اور اپنا قلم مجھے عنایت کیجئے میں اپنے چھوٹے بھائی کی نشانی مرتے دم تک اپنے ساتھ رکھوں گا۔ لیگ کے صدر نے مسکراتے ہوئے راشٹرپتی کو اپنا قلم دے دیا اس کے بعد دونوں ایک دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈال کر باہر نکلے۔ راشٹرپتی نے لیگ کے صدر سے بغلگیر ہو کر کہا "آپ کو پاکستان مبارک ہو۔ لیکن میرے لیے اپنے چھوٹے بھائی کی جدائی کا دکھ ناقابلِ برداشت ہے"۔ باہر لاکھوں ہندوؤں اور مسلمانوں کا ہجوم خوشی کے نعرے

لگا رہا تھا۔ وہ بھی ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے۔ اس تمام کارروائی کے دوران میں ایک ناخوشگوار لیکن دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ وہ یہ تھا کہ جب کانگرس کا راشٹرپتی اور مسلم لیگ کا صدر ایک دوسرے سے رخصت ہونے والے تھے۔ عوام نے ان سے پاکستان اور ہندوستان کے جھنڈے لہرانے کے لیے اصرار کیا۔ راشٹرپتی نے لیگ کے صدر سے کہا: "اگر آپ کو اعتراض نہ ہو۔ تو میں پاکستان کا جھنڈا لہراتا ہوں اور آپ ہندواستھان کا جھنڈا لہرائیں۔ یہ بات تاریخ میں ایک یادگار رہے گی" لیگ کے صدر نے خوشی سے یہ تجویز منظور کی۔

ہجوم کو یہ خبر مائیکروفون پر بتائی گئی اور وہ مسرت کے نعرے لگانے لگے۔ لیکن نقاب کشائی کے بعد بعض کانگرسیوں نے اس بات پر بے چینی ظاہر کی کہ ہندوستان کا جھنڈا بلندی میں پاکستان کے جھنڈے سے چند انچ کم ہے۔ ایک کھدر پوش نوجوان بھاگ کر چبوترے پر چڑھا اور اس نے کانگرس کا جھنڈا زمین سے اکھاڑ کر اوپر اٹھا دیا۔ اب یہ جھنڈا پاکستان کے جھنڈے سے دو تین فٹ اونچا تھا۔ اس پر ایک مسلمان کو غصہ آیا اور اس نے آگے بڑھ کر پاکستان کا جھنڈا دونوں ہاتھوں سے بلند کر دیا۔ کانگرسی پھر شور مچانے لگے اس پر کسی نے کانگرسی علمبردار کے سامنے سٹول رکھ دیا اور وہ اس پر کھڑا ہو گیا۔ اب ہندواستھان کا جھنڈا پھر اونچا تھا میں اسے ایک مذاق سمجھتا تھا لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب کہ ایک مسلمان نوجوان نے بھاگ کر لیگ کے علمبردار کی ٹانگوں میں سر دے کر اسے اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔ مسلم لیگ کا جھنڈا پھر بلند تھا لیکن کانگرس والے ایک میز لے آئے اس پر ان کا علمبردار کھڑا ہوا۔ پھر اسے ایک شخص نے اپنے کندھے پر اٹھایا۔ مجھے اس مقابلہ میں کانگرس کی جیت کا یقین ہو چکا تھا لیکن ایک قوی ہیکل پٹھان نے آگے بڑھ کر لیگ کے دونوں رضاکار اپنے کندھے پر اٹھا لیے اور مسلمانوں نے نہایت جوش کے ساتھ یہ نعرہ لگایا "پاکستان کا

جھنڈا اونچا رہے گا"

اب کانگرس والوں کی باری تھی۔ انھوں نے بھی تیسرا آدمی بھیجا لیکن وہ نچلے آدمی کی ٹانگوں میں سر دے کر اپنے دو رضاکاروں کا بوجھ اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ میز ٹوٹ گئی اور مسلمانوں کا جوش جو ہاتھا پائی تک پہنچ چکا تھا۔ قہقہوں میں تبدیل ہو گیا۔ اور کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا۔

اگلے دن میں دہلی پہنچا۔ شہر میں خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ مسلمان ہندوؤں اور ہندو مسلمانوں کی دعوتیں کر رہے تھے لیکن ہندوؤں میں اس بات پر عام ناراضگی پائی جاتی تھی کہ مسلمانوں نے شہر کے سب سے اونچے مینار یعنی قطب صاحب کی لاٹھ پر پاکستان کا جھنڈا گاڑ دیا ہے۔ ہندو نوجوان مصر تھے کہ وہ بھی اس مینار پر ہندواستھان کا جھنڈا بلند کریں گے۔ بہت لے دے کے بعد چند سنجیدہ مسلمانوں اور ہندوؤں نے فسادات کو روکنے کی نیت سے مجھے ثالث مقرر کر دیا اور میں نے جھگڑا نپٹانے کے لیے دونوں جماعتوں کے جھنڈے جو لمبائی میں ایک سے تھے۔ قطب مینار پر نصب کر دیئے اور یہ میری خوش قسمتی تھی کہ اگلے دن ہندو اور مسلم اخبارات کی پہلی خبر میری دانشمندی کے متعلق تھی۔

تیسرے دن اخبارات میں مہابیر دل کے سالار کا یہ اعلان شائع ہوا کہ اس دن اتفاق سے میز ٹوٹ گئی ورنہ ہمارا جھنڈا لیگ والوں کے جھنڈے سے کم از کم دو فٹ بلند ہوتا لیکن چوتھے دن لاہور کے اخبارات میں مسلم نیشنل گارڈز کے سالار کا یہ بیان درج تھا کہ اگر اس دن میز نہ ٹوٹتی تو ہم ایک اور آدمی بھیج سکتے تھے جو آسانی سے تین آدمیوں کا بوجھ اپنے کندھے پر اٹھا سکتا تھا۔ اس کے جواب میں مہابیر دل کے سالار نے یہ لکھا کہ ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہمارا جھنڈا ہندوستان کے بلند ترین مقام پر لہرائے گا۔ ہم حیران تھے کہ وہ بلند ترین مقام کیا ہو سکتا ہے لیکن تین چار دنوں کے بعد مجھے

معلوم ہوا کہ لاہور سے پچاس مسلمانوں کا ایک گروہ ہمالیہ کی سب سے بلند چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ پر پاکستان کا جھنڈا گاڑنے کے لیے روانہ ہو چکا ہے اور اگلے دن مجھے یہ پتہ چلا کہ یہ خبر سنتے ہی ساٹھ ہندو نوجوانوں کی ایک ٹولی بذریعہ ہوائی جہاز ہمالیہ کے دامن میں پہنچ چکی ہے اور پہاڑ پر چڑھنے کی تیاریاں کر رہی ہے۔

اس کے بعد ایک شخص نے یہ سوال اٹھایا کہ اگر دونوں پارٹیاں ماؤنٹ ایورسٹ پر پہنچنے میں کامیاب ہوگئیں تو یہ فیصلہ کیسے ہوگا کہ کون جیتا ہے اور کون ہارا ہے چنانچہ چند دن کی بحث کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ جو پہلے پہنچ جائے وہ جیتا دونوں پارٹیوں کی رضامندی پر ایک امریکن ایک روسی اور ایک انگریز ہواباز ثالث مقرر کیا گیا۔ یہ ثالث ہر روز ہوائی جہاز پر اڑتے تھے اور واپس آکر دونوں قافلوں کی رفتار کی خبر دیتے تھے۔

چند دنوں کے بعد ان ثالثوں کی آخری اطلاع یہ تھی کہ خرابیِ موسم کے باعث دونوں پارٹیوں میں سے کوئی بھی ماؤنٹ ایورسٹ پر نہیں پہنچ سکی لیکن لیگ والوں نے اس سے نچلی چوٹی پر اپنا جھنڈا گاڑ دیا ہے۔

اس دوران میں ہندو اور مسلم اخبارات میں اسّی فیصدی خبریں اس مہم کے متعلق ہوتی تھیں اور وہ مبالغہ آرائی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔

ایک دن ایک ہندو اخبار کی خبر کا عنوان یہ تھا: "ہندوستان کے شیر ہمالہ کی برفانی چوٹیوں میں"۔ اس کے جواب میں ایک مسلم اخبار کی خبر یہ تھی "پاکستان کے شاہین ہمالہ کے آسمانوں پر"۔ ایک اور ہندو اخبار کی سرخی یہ تھی "ہمالہ نے دیش بھگتوں کے سامنے ماتھا ٹیک دیا"۔ اور اس کے جواب میں ایک مسلم اخبار کی سرخی یہ تھی "ہمالہ کی چٹانیں اللہ اکبر کے نعروں سے لرز اٹھیں"۔

اب لطف یہ ہے کہ نہ پاکستان کی مہم اپنی کامیابی پر بہت زیادہ مسرور ہے اور نہ ہندوستان کی مہم کو مایوسی ہوئی ہے۔ دونوں پارٹیوں کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ ماؤنٹ ایورسٹ کی چوٹی پر پہنچ کر دم لیں گے۔

آئندہ سال کے لیے انھوں نے ابھی سے تیاری شروع کر دی ہے اور یہ فیصلہ ہوا ہے کہ دونوں پارٹیاں بیک وقت ایک ہی مقام سے روانہ ہوں۔

چند دن ہوئے تبت سے لامہ کا ایک ایلچی دہلی پہنچا اور اس نے اخباری نمائندوں کو یہ بتایا کہ پاکستان اور ہندوستان کے مقابلہ کی خبر سن کر تبت کی ایک پارٹی کو مقابلے کا شوق پیدا ہوا اور وہ ایورسٹ کی چوٹی پر اپنا جھنڈا گاڑ چکی ہے لیکن ایک ہفتہ بعد ایک روسی اور ایک امریکن ہواباز نے اس خبر کی تردید کی اور انھوں نے بتایا کہ تبت کی مہم ایک اور چوٹی پر اپنا جھنڈا نصب کرنے میں کامیاب ہوئی ہے اور یہ چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ سے دو ہزار فٹ نیچے ہے اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ اگلے سال کے لیے نیپال سے بھی ایک مہم روانہ ہوگی۔ بہرصورت یہ ایک دلچسپ مشغلہ ہے اور میرا خیال ہے کہ اگر تمام دنیا کی سلطنتیں اپنا اپنا جھنڈا بلند کرنے کا ارادہ کر لیں تو دو چار برس کے اندر ماؤنٹ ایورسٹ پر چڑھنے کے لیے اچھی خاصی گزرگاہیں تیار ہو جائیں گی۔

اس چینی سیاح کا نام شونگ شک تھا وہ ہندوستان میں پانچ سال رہا گرمیاں پاکستان کے مشہور شہر کوئٹہ میں گزارا کرتا تھا اور سردیاں بمبئی میں۔ اس نے ہندوستان کی اور پاکستان کی پانچ سالہ تعمیری اسکیموں پر نہایت شاندار تبصرہ لکھا ہے اپنی رپورٹ کے اختتام پر وہ ہر دو ممالک کے دستور اساسی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ پاکستان کی ترقی کی رفتار بہت تیز نہ سہی۔ لیکن حوصلہ افزا ضرور ہے لیکن جدید ہندوستان کے معمار اپنے سیاسی مہاتما کی عینک سے پانچ ہزار سال پیچھے دیکھ رہے ہیں۔

ہندوستان کے جنوب میں

جس زمانے میں پانی پت میں مسلم لیگ اور کانگرس میں سمجھوتا ہو رہا تھا۔ مدراس کے اچھوت لیڈر ڈراوُستان کے مطالبہ پر زور دے رہے تھے، کانگرس نے ابتدا میں اچھوتوں کی اس تحریک کو چند غیر ذمہ دار اچھوت لیڈروں کی ہنگامہ آرائی قرار دے کر نظر انداز کرنے کی کوشش کی لیکن معاہدہ پانی پت کی پانچ سال بعد یہ تحریک بین الاقوامی شہرت حاصل کر چکی تھی جگہ جگہ فسادات رونما ہو رہے تھے۔ سیکورٹی کونسل نے اچھوت لیڈر کی درخواست پر تین ججوں کا ٹربیونل بھیجنے پر رضامندی ظاہر کی لیکن کانگرس کے راشٹرپتی نے یہ اعلان کیا ہے کہ ہم اپنے مسائل خود طے کریں گے اگر ہم مسلمانوں کے ساتھ سمجھوتہ کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اچھوتوں کو جو ہمارے بھائی ہیں اور ہمارے جسم کا ایک ٹکڑا ہیں۔ خوش نہ کر سکیں۔

اس کے بعد کانگرس کے راشٹرپتی نے اعلان کیا کہ اگر ہمارے اچھوت بھائی ڈراوُستان کا مطالبہ واپس لے لیں تو ہم ان کے تمام مطالبات مان لینے کے لیے تیار ہوں گے۔ سردست صرف ان کا یہ مطالبہ پورا نہیں کیا جا سکے گا کہ ہندواستھان کی ایک تہائی زمین ان کے حوالے کی جائے۔ زمین بھگوان کی ہے اور ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائے۔ ہندوستان کی زمین بنجر پڑی ہوئی تھی۔ آرین قوم نے

اس کو اپنے پسینے سے قابلِ کاشت بنایا۔ اب وہ چار ہزار برس سے اس پر قابض چلے آتے ہیں اور اس دوران میں اچھوتوں نے کبھی کھیتی باڑی کی طرف توجہ نہیں دی۔ لیکن حکومت انھیں مایوس نہیں کرنا چاہتی اگر وہ کھیتی باڑی کرنا چاہتے ہیں تو حکومت اس بات کی پوری پوری کوشش کرے گی کہ انھیں ان کی ضرورت کے مطابق زمین دی جائے۔ ماہرینِ جغرافیہ کا خیال ہے کہ جنوبی ہندواستھان کا سمندر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہا ہے اور دریاؤں کی مٹی سے نئی زمین پیدا ہو رہی ہے اس لیے حکومت یہ اعلان کرتی ہے کہ آئندہ چار لاکھ برس میں جس قدر زمین سمندر خالی کرے گا۔ وہ تمام اچھوتوں کو دی جائے گی۔

اس کے علاوہ حکومت کو معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ آئندہ دس برس تک انسان مریخ پر پہنچ جائے گا۔ امریکہ کے صدر نے یہ اعلان کیا ہے کہ مریخ کی قابلِ کاشت زمین تمام ممالک کو ان کی آبادی کے لحاظ سے تقسیم کی جائے گی۔ اگر امریکہ نے اپنا یہ وعدہ پورا کیا تو ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہم اچھوت کو مریخ پر پچاس ایکڑ زمین عطا کریں گے اور ابتدائی تین سال ان سے کوئی لگان وصول نہ کیا جائے گا۔"

اچھوتوں کے چند سادہ دل لیڈر مریخ پر زمین حاصل کرنے کی اُمید پر ڈراوُستان کے مطالبہ سے دست کش ہونے کے لیے تیار ہو گئے لیکن اکثریت کا یہ فیصلہ تھا کہ اوّل تو انھیں مریخ پر زمین ملنے کی اُمید نہیں۔ اور اگر مل بھی گئی تو کانگرس اپنا وعدہ کبھی پورا نہ کرے گی۔ مریخ میں بھی ان کے حصے ناقابل کاشت جنگلات آئیں گے۔

اچھوتوں کا جوش و خروش بڑھ رہا تھا اور کانگرس کو اس بات کے کوئی آثار دکھائی نہ دیتے تھے کہ: وہ مطالبہ ڈراوُستان سے دست کش ہونے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اچانک کانگرس کے سیاسی مہاتما جو چھ سال قبل سیاسیات سے کنارہ کش ہو چکے تھے کسی گوشۂ تنہائی سے نکلے اور انھوں نے اچھوت لیڈروں کو ملاقات کی دعوت

دی ۔ انھیں سمجھایا لیکن جب اچھوت لیڈر مطالبۂ ڈراوستان کو ترک کرنے کے لیے
تیار نہ ہوئے تو کانگرس کے سیاسی مہاتما نے مرن برت رکھ لیا ۔
بیس دن تک وہ صرف نارنگی کے رس اور بکری کے دودھ پر گزارہ کرتے رہے
اکیسویں دن ڈاکٹروں نے اعلان کیا کہ وہ قریب المرگ ہیں اور اچھوت لیڈروں نے
غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے ؀

بکری کی جے

(ہندواستھان کی راجدھانی کی ایک وسیع عمارت کے ایک کشادہ کمرے میں)
چند ننگ دھڑنگ سادھو آلتی پالتی مارے ایک نصف دائرے
میں شیروں کی کھالوں پر بیٹھے ہوئے ہیں ۔ سامنے ایک چبوترہ ہے ۔ کمرے
کی تمام دیواروں کے ساتھ مہاتما جی گاندھی کی بے شمار مورتیاں ہیں ۔ چبوترے
کے پیچھے دیوار کے ساتھ گاندھی جی کی سب سے بڑی مورتی ہے ساتھ ہی
ایک خوبصورت بکری کھڑی ہے جو گاندھی کے مجسمے کے ایک ہاتھ میں
ہے اور دوسرا ہاتھ انھوں نے بکری کے سر پر رکھا ہوا ہے ۔
ایک دبلا پتلا شخص ایک ہاتھ میں پانی سے بھری ہوئی گڑوی
اور دوسرے ہاتھ میں مالا لیے داخل ہوتا ہے ۔ تمام سادھو ہاتھ باندھ کر
کھڑے ہو جاتے ہیں اور سب کے منہ سے یہ الفاظ نکلتے ہیں "مہاگورو کی جے"
مہاگورو چبوترے پر چوکڑی مار کر بیٹھ جاتا ہے اور اپنا نحیف بازو ہوا میں
بلند کر کے سب کو بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہے ۔ سب باری باری بیٹھ جاتے ہیں
مہاگورو : مترو ! بھگوان کا شکر ہے کہ ہمیں ملیچھوں سے چھٹکارا ملا ہے اب
ہم اپنی مرضی سے اپنے دیش کا قانون بنا سکیں گے ۔

ایک سادھو: (اُٹھ کر) مہاراج "مرضی" اور "قانون" دونوں بدیشی زبان کے لفظ ہیں۔

مہاگورو: (گڑوی سے پانی کا ایک گھونٹ پی کر) ہم نے انھیں گنگا جل پلا کر شدھ کر لیا ہے یہ لکھ لو۔ ایک سادھو جلدی سے رجسٹر کھول کر لکھ لیتا ہے۔

دوسرا سادھو: مہاراج واسدیو نے آپ پر تو اعتراض کیا تھا لیکن "زبان" اور "لفظ" بھی بدیشی ہیں۔

پہلا سادھو: "اعتراض" بھی بدیشی ہے۔ سولہ آنے خالص بدیشی۔

مہاگورو: (پانی کے تین گھونٹ پی کر) ہم انھیں بھی شدھ کرتے ہیں۔ لکھ لو۔ اور اب جب تک ہم اپنی بات ختم نہ کریں کسی کو بولنے کی آگیا نہیں۔ بدیشی زبان کے جو لفظ میرے منہ سے نکلیں۔ وہ آپ سب نوٹ کرتے رہیں وہ سب اکٹھے شدھ کر لیے جائیں گے۔ مسلمانوں کے ساتھ رہ کر ہم نے اپنی زبان خراب کر لی ہے۔ اب ان سب باتوں کا علاج ہو جائے گا۔

تیسرا سادھو: مہاراج آپ نے بہت دیا کی کہ بدیشی لفظوں کو شدھ کرنے کا آسان طریقہ بتا دیا۔ ورنہ مہابکو ہور مہامنتری کی طرح ملک کے دوسرے دویاپتی بھی پاگل خانے چلے جاتے۔

مہاگورو: یہ بھگوان کی دیا تھی کہ میرے ذہن میں یہ بات آگئی۔ خیر اُن باتوں کو چھوڑو۔ اب کام کا وقت ہے۔ حکومت نے دھرم کو نئے سرے سے زندہ کرنے کا کام ہمارے سپرد کیا ہے اور یہ کام آسان نہیں (گاندھی کی مورتی کی طرف اشارہ کر کے) ہمارے مہاتما جی نے پران دیتے وقت کہا تھا کہ اس ملک کے دھرم سیوکوں کا سب سے پہلا فرض یہ

ہے کہ ہم جیو ہتھیا روکیں۔ تم سب یہ جانتے ہو کہ جہاں جیو ہتیا ہوتی ہو وہاں بھگوان نہیں رہ سکتا۔ اس لیے میں نے مہاگورو کا عہدہ سنبھالتے ہی راشٹرپتی سے کہا تھا کہ میں اس دھرتی میں جیو ہتیا روکنا چاہتا ہوں لیکن ہندوستان میں راکشش لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے میں کچھ نہ کر سکا۔ اب بھگوان کا شکر ہے کہ وہ ہم سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔ اس لیے ہمارا کام بہت آسان ہو گیا ہے۔ جیو ہتیا روکنے کے لیے میں نہایت سخت قانون بنوانا چاہتا ہوں اور تم دیکھو گے کہ اس قانون پر عمل ہونے کے بعد بھگوان ہمارے ملک پر اپنی دیا کی بارش کرے گا اور بھارت ماتا خوشحالی کا وہ زمانہ پھر دیکھے گی جس کے لیے ہم ایک ہزار برس سے ترس رہے ہیں تم جانتے ہو کہ جانور تمام انسانوں کی بدلی ہوئی صورتیں ہیں اس لیے ہمیں چند خاص جانوروں کے لیے نہیں بلکہ ہر جانور کی حفاظت کے لیے قانون بنانے پڑیں گے۔ ہمارے دیش میں اب گئو ماتا کی ہتیا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ حکومت نے گائے پر ظلم کرنے والے کی سزا پھانسی رکھی ہے پھر بھی یہ خدشہ تھا کہ ہمارے ملک میں جو ملیچھ اب تک آباد ہیں۔ ان کا دل گائے ماتا کے متعلق ابھی تک صاف نہیں ہوا اور وہ قانون کے خوف سے اگر گائے کو ماریں گے نہیں تو بھی اسے مختلف طریقوں سے تنگ ضرور کرتے رہیں گے۔ اس لیے میں نے حکومت کو مشورہ دیا تھا کہ ملیچھ مسلمانوں کو گائے پالنے کی ممانعت کر دی جائے۔ بھگوان کی کرپا سے حکومت نے میرا یہ مشورہ منظور کر لیا ہے۔

تمام سادھو: (یک زبان ہو کر) گئو ماتا کی جے۔ بھگوان کی جے۔ ماتر بھومی کی جے۔ مہاگورو کی جے۔

مہاگورو: بھگوان گاندھی جی کو گائے ماتا کی طرح بکری ماتا کے ساتھ بہت پریم تھا۔ بکری ماتا کو اپنی آتما کی طرح وہ ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے انگریزوں کے ملک میں گاندھی جی کو پوتّر ہندو کے گھر کا بھوجن ملنے کی اُمید نہ تھی۔ اس لیے وہ وہاں بھی بکری ماتا کو اپنے ساتھ لے گئے اور اسی دودھ پر گزارہ کرتے رہے لوگوں کا خیال تھا کہ اس چھوٹے سے جانور کا دودھ مہاتما جی کے گزارے کے لیے کافی نہ ہوگا۔ یوں تو ہم نے سنا ہے کہ ولایت پہنچ کر اس پوتّر جانور کے تھنوں سے دودھ کی نہریں پھوٹ نکلیں۔ ہمارے دیش کے جتنے مہاپُرش گاندھی جی کے ساتھ گئے تھے۔ وہ اس کے دودھ سے اپنا پیٹ بھرتے تھے۔ بکری ماتا نے ملیچھ انگریزوں کی اپوتر دھرتی کا گھاس اور چارہ کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ پرنتو رات کے وقت بھگوان کے دیوتا آتے اور سورگ کے درختوں کے پتوں کی ایک ٹوکری اور سورگ کی نہروں کے ٹھنڈے اور میٹھے پانی کی ایک بالٹی بھر کر بکری اور ماتا کے سامنے رکھ جاتے بکری ماتا بھوجن کر لیتیں تو یہ خالی ٹوکری اور بالٹی خود بخود زمین میں چھپن ہو جاتی۔ ہم نے سنا ہے کہ بکری ماتا کا دودھ دوہنے کی ضرورت نہ تھی۔ جب کسی مہاپُرش کو بھوک لگتی وہ اپنا کٹورا بکری ماتا کے نیچے رکھ دیتا اور بکری ماتا کے تھنوں سے دودھ کی دھاریں بہہ نکلتیں۔ اس پوتّر دودھ کے چند گھونٹ پیتے ہی مہاپُرشوں کی آنکھیں روشن ہو جاتیں اور ان کی آتما آکاش تک کی خبر لاتی اور وہ جھوم جھوم کر یہ کہتے۔ مہاتما جی! بکری ماتا کے دودھ میں پھولوں کی مہک اور شہد کی مٹھاس ہے مہاتما جی جواب دیتے۔ بکری ماتا گئو ماتا کا دوسرا روپ ہے۔ اس دیس سے

چند ماس کھانے والے مسلمان بھی مہاتما جی کے ساتھ گئے تھے انھوں نے اپنے کانوں سے مہاپرشوں کو بکری ماتا کے دودھ کی تعریف کرتے سنا اور اپنی آنکھوں سے یہ دیکھا کہ اس پوتر دودھ نے مہاپرشوں میں وہ شکتی پیدا کر دی ہے کہ جب وہ چلتے ہیں تو دھرتی کانپ اٹھتی ہے تو ان کے دلوں میں بھی بکری ماتا کا دودھ پینے کی خواہش پیدا ہوئی۔ ایک مسلمان نے مہاتما جی سے ہاتھ باندھ کر پرارتھنا کی کہ مجھے بھی دو گھونٹ دودھ دیجیے۔ مہاتما جی مہا دیالو تھے۔ وہ اس کی درخواست ردّ نہ کر سکے انھوں نے کہا کہ تم اپنا کٹورا بکری ماتا کے سامنے رکھ دو۔ اگر وہ تمھیں اپنا دودھ دینا پسند کرے تو مجھے کوئی انکار نہیں۔ ماس خور مسلمان کٹورا لے کر آگے بڑھا لیکن تم جانتے ہو۔ کیا ہُوا؟

تمام سادھو: نہیں مہاراج۔

مہاگورو: جب ملیچھ مسلمان اپنا کٹورا لے کر آگے بڑھا۔ بکری ماتا کی آنکھیں غصّے سے سرخ ہو گئیں۔ اس کے بدن کے تمام بال کھڑے ہو گئے۔ اس کے سینگ برچھیوں کی طرح چمکنے لگے۔ پرنتو ملیچھ مسلمان عقل کا اندھا تھا۔ وہ بکری ماتا کے غصّے کی وجہ نہ سمجھ سکا اور اس نے اپنا کٹورا بکری ماتا کے نیچے رکھ دیا۔ پھر جانتے ہو کیا ہُوا؟

تمام سادھو: نہیں مہاراج

مہاگورو: ملیچھ مسلمان نے اپنا کٹورا بکری ماتا کے نیچے رکھ دیا۔ بکری ماتا نے ایک جھرجھری لی اور اس کی چھاتیوں سے دھاریں بہہ نکلیں اور کٹورا بھر گیا۔ جانتے ہو کٹورا کس چیز سے بھر گیا؟

تمام سادھو: نہیں مہاراج۔

مہاگورو: ارے عقل کے اندھو! یہ دودھ نہ تھا یہ بکری ماتا کا لہو تھا (آنسو پونچھتے اور ہچکی لیتے ہوئے) یہ لہو تھا، لہو۔ سب حیران کھڑے تھے۔ عقل کے اندھے مسلمانوں نے کہا مہاتما جی یہ کیا آج بکری کے دودھ کا رنگ سرخ کیوں ہے! جانتے ہو مہاتما جی نے کیا جواب دیا؟

تمام سادھو: نہیں مہاراج۔

مہاگورو: مہاتما جی نے جواب دیا ارے عقل کے اندھے دودھ کا رنگ سرخ نہیں یہ لہو ہے۔

مسلمان نے حیران ہو کر پوچھا۔ مہاتما جی مجھے بکری نے خون کیوں دیا۔ مہاتما جی نے جواب دیا اپنے سوال کا جواب بکری ماتا سے پوچھو۔ مسلمان نے کہا بکری ایک بے زبان جانور ہے۔ یہ میرے سوال کا جواب کیسے دے سکتی ہے؟ مہاتما جی نے جواب دیا اس کی زبان ہے پرنتو تمہارے کان نہیں غور سے دیکھو اس کی آنکھیں اس کے سینگ اس کا ایک ایک بال تم سے کچھ کہہ رہا ہے۔ مسلمان نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بکری ماتا کی طرف دیکھا اور کہا مجھے سنائی نہیں دیتا۔ مہاتما جی نے کہا بکری کی آتما کی پکار تم ظالم کانوں سے نہیں سن سکتے لو ہم ایشور سے پرارتھنا کرتے ہیں کہ اُسے تھوڑی دیر کے لیے زبان مل جائے۔ اس کے بعد جانتے ہو کیا ہوا؟

تمام سادھو: نہیں مہاراج۔

مہاگورو: لو ہم تمھیں بتلاتے ہیں۔ مہاتما جی سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ آپ کی آتما اڑ کر آکاش تک پہنچی اور اس نے ایشور بھگوان سے پرارتھنا

کی کہ اے بھگوان بے زبان بکری ماتا کو تھوڑی دیر کے لیے زبان دے دے جانتے ہو کیا جواب ملا؟

تمام سادھو: نہیں مہاراج۔

مہاگورو: لو ہم بتلاتے ہیں۔ بھگوان نے جواب دیا ہم نے آج سے لاکھوں برس پہلے ہر جانور کو زبان دی تھی تاکہ وہ انسان کی طرح ہمارے لیے بھجن گا سکیں پرنتو جب انسان انھیں لاٹھیوں سے ہانکنے لگے اور ان کے گلوں پر چھریاں پھیرنے لگے تو وہ ہمارے دیوتاؤں کے پاس اپنی فریاد لے کر پہنچے۔ ہمارے دیوتاؤں نے غصے میں آ کر انسانوں کی بستیوں اور شہروں میں بیماریاں اور سیلاب، بجلیاں اور آندھیاں بھیجیں جانوروں نے جب انسانوں کو اس طرح تباہ ہوتے دیکھا تو انھیں دکھ ہوا کہ انھوں نے دیوتاؤں کے سامنے ان کی شکایت کیوں کی۔ وہ پھر دیوتاؤں کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ ہم سے انسانوں کی مصیبت دیکھی نہیں جاتی انھیں معاف کر دو۔ ہم ان کے خلاف آئندہ کبھی شکایت لے کر نہیں آئیں گے۔ دیوتاؤں نے جانوروں کی یہ درخواست قبول کر لی اور انسانوں کو معاف کر دیا اس دن سے جانور انسانوں کا ہر ظلم صبر سے برداشت کرتے ہیں ان کے منہ میں زبان ہے لیکن وہ شکایت نہیں کرتے۔ مہاتما جی نے کہا بھگوان میں اپنے ساتھیوں کو بکری کی آتما کی پکار سنانا چاہتا ہوں۔ آپ اسے تھوڑی دیر کے لیے بولنے کی آگیا دیجیے۔ بھگوان نے کہا جاؤ ہم آگیا دیتے ہیں۔

یہ سن کر گاندھی جی کی آتما واپس لوٹ آئی۔ آپ نے مسکرا کر مسلمان کی طرف دیکھا اور کہا۔ ٹھہرو! ابھی بکری ماتا تمھارے سوال کا جواب

دے گی۔

مہاتما جی نے تین بار سوال کیا بکری ماتا تم کیا کہنا چاہتی ہو۔

تیسری بار بکری ماتا نے مسلمان کی طرف دیکھا اور گرجتی ہوئی آواز میں
کہا۔ ارے پاپی تو اب تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ میں نے تیرا کٹورا دودھ
کی بجائے خون سے کیوں بھر دیا؟ کان کھول کر سن تیری راکشش آتما
کی تسلّی کے لیے میں خون کے سوا اور کیا دے سکتی تھی۔ کیا تو نے
اور تیرے باپ کے باپ کے باپ اور پھر اس کے باپ کے باپ
نے میرے باپ، میرے باپ کے دادا اور میرے دادا کے دادا
کے دادا اور میری ماں، میری دادی اور اس کی دادی کی دادی کے
حلق پر چھریاں نہیں چلائیں۔ تم ہزار ہا برس سے اپنا پیٹ بھرتے رہے
اور آج تم مجھ سے دودھ مانگتے ہو نہیں نہیں میں تمھیں دودھ نہیں
دے سکتی۔ میرا ٹھنڈا، میٹھا اور خوشبودار دودھ صرف ان مسلمانوں
کے لیے ہے جو میری رکھشا کرتے رہے ہیں یہ خون جس سے میں نے
تمھارا کٹورا بھر دیا ہے اُن ان گنت بکریوں کے دُکھیا دل کی پکار ہے
جنھیں تم ذبح کر کے کھاتے رہے ہو۔

اب تم سب سمجھ گئے ہو گے کہ مہاتما جی کو باقی تمام عمر
گئو ماتا کی طرح بکری ماتا کی رکھشا کی کیوں فکر رہی۔

ایک سادھو: مہاراج اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بکری ماتا کی شکتی اور پوترتا
گئو ماتا سے کم نہیں۔ کیونکہ یہ بڑے دکھ کی بات ہے کہ مسلمان کے
ساتھ رہ کر کئی ہندو بھی اسے کھانے کے عادی ہو چکے ہیں۔ ہمیں
بکری ماتا کے لیے بہت جلد کچھ کرنا چاہیئے۔

مہا گورو: گاندھی بھگتوں کی طرف سے تو اب جیو ہتیا کا سوال ہی پیدا
نہیں ہوتا۔ حکومت نے آج یہ حکم جاری کر دیا ہے کہ ان سے اگر
کوئی ماس خور ہو تو اُسے جلا وطن کر کے پاکستان بھیج دیا جائے گا۔ لیے
ہمارے دیش کے تھوڑے بہت مسلمان ان کے لیے میں حکومت کو یہ
مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ ہماری پولیس ہر مسلمان کے گھر کی نگرانی کرے
اگر یہ معلوم ہو کہ کسی مسلمان نے جیو ہتیا کی ہے تو اسے سخت سزا دی جائے
بکری ماتا کے متعلق میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ اسے مارنے کی سزا بھی
موت سے کم نہ ہو اور چونکہ مسلمان کی پاپی صورت دیکھ کر اس کا دل دکھتا
ہے۔ اس لیے یہ حکم دیا جائے کہ کوئی مسلمان جب تک کہ وہ شدھ ہو
کر سماج کے چھٹے ورن میں داخل نہ ہو چکا ہو۔ بکری ماتا کو اپنے گھر میں
نہ پالے۔

ایک سادھو: مہاراج میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ وہ گائیں اور بکریاں جو مسلمانوں
سے چھینی جائیں گی۔ انھیں کہاں رکھا جائے گا؟

مہا گورو: وہ ان گاندھی بھگتوں کو دی جائیں گی۔ جن کے پاس یہ جانور ان
کی ضرورت سے کم ہیں بعد میں اگر ان کی تعداد زیادہ ہو گئی تو ہر شہر میں
سرکاری خرچ پر ایک گئوشالا اور ایک بکری شالا کھولی جائے گی اب
حکومت نے ہمارے ذمے یہ کام لگایا ہے کہ ہم مختلف جانوروں کی
ہتیا کرنے والوں کے لیے سزاؤں کی سفارش کریں یہ کام ہمیں بہت
سوچ سمجھ کر کرنا ہو گا۔ میں نے کل ساری رات سوچنے کے بعد چند جانوروں
کے نام نوٹ کیے ہیں اور انھیں مارنے یا تنگ کرنے والوں کے لیے
سزائیں بھی مقرر کر دی ہیں۔ کئی جانوروں کے نام میرے ذہن میں نہیں

آسکے اور بعض کی سزائیں میں نے اب تک تجویز نہیں کیں۔ یہ کام میں تم سب کے سپرد کرتا ہوں۔ تم کل تک اپنی اپنی فہرست پیش کرو تاکہ پرسوں میں اپنی رپورٹ راشٹرپتی کے سامنے پیش کرسکوں لیکن ایک بات یاد رکھو ہماری رپورٹ میں ہاتھی سے لے کر مکھی تک ہر جانور کا نام آنا چاہیئے۔ جن جانوروں کے متعلق میں فیصلہ کرچکا ہوں اب ان کے نام سناتا ہوں۔ اگر آپ کسی کے متعلق سزا کم یا زیادہ کروانا چاہیں تو مجھے بتادیں

۱۔ وہ جانور جن کی ہتیا کی سزا پھانسی اور تنگ کرنے کی سزا سات سال سخت قید ہے۔ گائے اور بکری۔

۲۔ وہ جانور جن کی ہتیا کی سزا عمر قید اور تنگ کرنے کی سزا تین سال قید ہے۔ سانپ۔ مور۔ ہاتھی۔ بندر۔ راج ہنس۔ ہرن کی قسم کے تمام جانور اور کتے۔

۳۔ وہ جانور جن کی ہتیا کی سزا ایک سال قید اور تنگ کرنے کی سزا ایک سال قید ہے۔ تمام پنچھی (نام آپ لوگ لکھ کر پیش کریں)

۴۔ وہ جانور جن کی ہتیا کی سزا چھ ماہ قید اور تنگ کرنے کی سزا منہ کالا کرکے شہر میں پھرانا ہے۔ چلتے پانی کی مچھلیاں۔ کچھوے اور مینڈک وغیرہ۔

ایک سادھو : مہاراج پانی کے باقی جانوروں کے متعلق آپ نے ٹھیک کہا لیکن کچھوے کے متعلق میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ پرانے زمانے میں اس کا درجہ سانپ، مور اور بندر سے کم نہ تھا۔

دوسرا سادھو : ہاں مہاراج یہ پانی کے جانوروں کا بھگت ہے۔

مہاگورو : ہم حیران ہیں کہ ہمیں اس بات کا خیال کیوں نہ آیا ہم اس کا نام دوسری قسم کے جانوروں میں کرتے ہیں۔ ہاں تو

۶۔ چھٹی قسم ان جانوروں کی ہے جن کی ہتیا کی سزا تین ماہ قید اور تنگ کرنے کی سزا ایک درجن بید ہیں۔ کھڑے پانی اور سمندر کے جانور وغیرہ۔

۷۔ وہ جانور جن کی ہتیا کی سزا ایک ماہ قید اور تنگ کرنے کی سزا کوئی نہیں مچھر مکھیاں اور کیڑے مکوڑے وغیرہ (ایک مکھی مہادیو کے منہ پر بیٹھ جاتی ہے۔ وہ آہستہ سے منہ پر ہاتھ مارتا ہے لیکن مکھی اڑ جاتی ہے) آخر میں ہم ایک عجیب وغریب جانور کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ جو ملیچھ مسلمانوں کو بہت پیارا ہے یہ جانور اونٹ ہے اگر ہم اس کی رکھشا کریں تو ڈر ہے کہ پاکستان کے مسلمان یہ نہ سمجھنے لگ جائیں کہ ہم ان سے ڈرتے ہیں۔ یہ بدیشی جانور اس دیش میں مسلمان اپنے ساتھ لائے تھے اور میرے گروجی کا یہ خیال تھا کہ ایک مسلمان مر کر اونٹ کی شکل میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ اس لیے میرے دل میں اس جانور کیلئے کوئی ہمدردی نہیں۔ پرنتو ہم نے اپنے دیش سے جانوروں کی ہتیا بالکل بند کردی ہے اسلیے میں نے اونٹ کو مارنے والے کے لیے ایک ماہ قید کی سزا تجویز کی ہے۔ لیکن اس کو تنگ کرنے کی سزا کوئی نہیں بلکہ اس بات کی عام اجازت ہے کہ دیش بھگت اس جانور کو زندہ رکھ کر خوب تنگ کریں اس کی پیٹھ پر اس قدر بوجھ لادیں کہ وہ اٹھا نہ سکے۔ اسے چارہ بہت کم دیا جائے جہاں زمین سخت ہو وہاں اسے ہل میں جوتا جائے جب کوئی مسلمان دیکھ رہا ہو۔ اس کی ٹانگوں پر بے تحاشا لاٹھیاں برسائی جائیں اور جب یہ بوڑھا ہوجائے اور کسی کام کا نہ رہے۔ اسے ہانک کر پاکستان کی حدود میں پہنچا دیا جائے تاکہ مسلمانوں کو بھی یہ معلوم ہو کہ ہم گائے اور بکری پر اُن کے ظلم کا بدلہ لے سکتے ہیں۔

ایک سادھو : یہ آپ نے بہت اچھی بات سوچی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ
جب مسلمانوں نے پہلی بار ہمارے ملک پر حملہ کیا تھا تو وہ اسی موذی

مہاگورو : ہمارا آج کا کام ختم ہوتا ہے۔ تم لوگ اب جا سکتے ہو۔ ہاں واسدیو
آج ہم نے بدیشی زبان کے کتنے ایسے لفظ استعمال کیے ہیں جو ابھی
تک شدھ نہیں ہوئے۔

واسدیو : (پریشان ہو کر) مہاراج میں نے کوئی اسّی لفظ نوٹ کیے تھے
پرنتو آپ نے مہاتما گاندھی جی کی بکری کا قصہ چھیڑ دیا اور میں اس
قدر کھو گیا کہ مجھے اپنا فرض یاد نہ رہا۔

مہاگورو : تم میں سے کسی اور نے یہ لفظ نوٹ کیے ہوں تو بتا دے
(تمام سادھو پریشان ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں)

ایک سادھو : مہاراج بکری ماتا کی بات اس قدر دلچسپ تھی کہ ہم میں
سے کسی کو اپنا فرض یاد نہیں رہا۔

مہاگورو : بہت اچھا۔ یہ لفظ آج نہیں تو کل شدھ ہو جائیں گے اب
تم جا سکتے ہو۔ مہاگورو کی تقلید میں تمام سادھو اٹھ کر یکے بعد دیگرے
مہاتما گاندھی اور بکری کی مورتی کو ہاتھ باندھ کر پرنام کرتے ہیں اور
کمرہ خالی ہو جاتا ہے ۔

گستاخ سفیر

(ہندوستان کا راشٹر پتی (وزیراعظم) اپنے دفتر
میں ایک کرسی پر رونق افروز ہے۔ سامنے میز پر کاغذوں
اور فائلوں کے علاوہ گاندھی اور بکری کی چھوٹی چھوٹی سنہری
مورتیاں ہیں۔ راشٹر پتی کا سیکرٹری کمرے میں داخل ہوتا ہے)

سیکرٹری : مہاراج پاکستان کا سفیر حاضر ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔

راشٹر پتی : (ایک فائل اٹھا کر اس کے ورق الٹتے ہوئے) میں نے تم
سے ہزار بار یہ کہا ہے کہ اسے صبح سویرے میرے منہ نہ لگایا کرو۔

سیکرٹری : مہاراج اس نے کل ٹیلیفون پر آپ سے ملاقات کا وقت
لے لیا تھا۔

راشٹر پتی : ہاں وہ اس وقت ملنے پر اصرار کرتا تھا۔ جاؤ لے آؤ اُسے،
لیکن ٹھہرو اس کا نام مجھے پھر بھول گیا۔ عجیب بے ڈھنگے نام ہوتے
ہیں ان لوگوں کے ..... ابو.... ظہیر.... اسد.....
ملک دولہ.... کیا بلا تھا وہ....؟

سیکرٹری : جی اس کا نام؟... عجیب سا نام تھا جی وہ (جلدی سے

ایک فائل کے ورق اُلٹ کر دیکھتے ہوئے) یہ لکھا ہے جی فخر الدولہ احتشام الملک عماد الدین ابوالاسد ظہیر الدین بابر بن سیف الدین یوسف عباس قاسمی۔

راشٹرپتی : ان کم بختوں کی رگوں میں کوٹ کوٹ کر شرارت بھری ہوئی ہے اب اور کوئی صورت نظر نہیں آئی تو اپنے ناموں ہی میں بدیشی زبان کے بے شمار لفظ ٹھونس کر یہ ہماری زبان بھرشٹ کرنا چاہتے ہیں اچھا بلاؤ اُسے۔

(سکریٹری باہر نکلتا ہے اور تھوڑی دیر بعد اس کے ساتھ ایک تیس ۳۰ پینتیس ۳۵ برس کا نوجوان ترکی ٹوپی۔ سیاہ اچکن اور چست پاجامہ پہنے داخل ہوتا ہے۔ نوجوان مصافحہ کے لیے راشٹرپتی کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے۔ راشٹرپتی اپنے سیکرٹری کی طرف دیکھتا ہے اور ایک لمحہ کی ہچکچاہٹ کے بعد اس کے ساتھ مصافحہ کرتا ہے۔ نوجوان کے ہاتھ میں کاغذوں کا ایک تھیلا ہے وہ بکری کی مورتی کو ایک طرف ہٹا کر تھیلا میز پر رکھ دیتا ہے اور اطمینان سے ایک کرسی پر بیٹھ جاتا ہے۔ راشٹرپتی بھی بیٹھ جاتا ہے۔

راشٹرپتی : ہاں میاں ابوطاہر اُل .... معاف کیجئے آپ کا نام مجھے اکثر بھول جاتا ہے۔

ظہیر : میرا نام فخر الدولہ احتشام الملک عماد الدین ابوالاسد ظہیر الدین

بابر بن سیف الدین یوسف عباس قاسمی ہے لیکن آپ کی سہولت کے لیے مجھے صرف ظہیر کہلانے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

راشٹرپتی : (اطمینان کا سانس لیتے ہوئے) شکریہ بے حد شکریہ۔ ہاں تو کل آپ ٹیلیفون پر بہت زیادہ خفا معلوم ہوتے تھے ؟

ظہیر : یہ بات ہی ایسی تھی۔ یہ دیکھیئے مجھ سے حکومت پاکستان نے اس خط کا جواب بذریعہ تار مانگا ہے (جلدی سے تھیلا کھول کر ایک کاغذ نکالتا ہے اور راشٹرپتی کے ہاتھ میں دے دیتا ہے)

راشٹرپتی : میں حیران ہوں کہ آپ کی حکومت یہ کیوں سمجھ بیٹھی ہے کہ ہمیں اپنے ملک کا ہر قانون اُن کی مرضی کے مطابق بنانا چاہیئے۔

ظہیر : ہمیں صرف آپ کے اُن قوانین سے دلچسپی ہے جن کا اثر براہِ راست آپ کے ملک کے مسلمان باشندوں پر پڑتا ہے۔ جب ہم پاکستان کی ہندو آبادی کے جذبات کا پورا پورا احترام کرتے ہیں تو آپ کا بھی یہ فرض ہے کہ آپ مسلمانوں کے ساتھ اسی رواداری سے پیش آئیں آپ کا یہ قانون کہ مسلمان گائے اور بکری نہیں پال سکتے نہایت مضحکہ خیز ہے۔ اس سے زیادہ شرمناک بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ سانپ اُن کے گھروں میں گھس آئیں انھیں کاٹ کھائیں لیکن وہ انھیں مارنا تو درکنار انھیں ڈرانے سے بھی پرہیز کریں اور انتہائی شرمناک بات یہ ہے کہ آپ کے ملک کے کتّے کو یہ اجازت ہے کہ وہ ایک انسان کو کاٹ کھائے لیکن انسان کو یہ اجازت نہیں کہ وہ ڈنڈے سے اس کی کھوپڑی توڑ ڈالے۔

راشٹرپتی : دیکھیے صاحب ہمارا یہ قانون ملک کی تمام آبادی کے لیے

یکساں ہے اور یہ اس لیے بنایا گیا ہے کہ حکومت اس میں دیش
کی بھلائی دیکھتی ہے اور آپ کو کسی ایسے قانون پر اعتراض کرنے کا حق
نہیں جو ہم نے سب کے لیے بنایا ہے ہاں آپ صرف اس بات
پر اعتراض کر سکتے ہیں کہ ہم نے مسلمانوں کو خاص طور پر بکری اور گائے
پالنے کی اجازت کیوں نہیں دی۔ شاید آپ کو معلوم نہیں۔ یہ قانون
بھی ہم نے مسلمانوں کی بھلائی کے لیے بنایا ہے۔

ظہیر: وہ کیسے؟

راشٹرپتی: ہم نے گائے اور بکری کی ہتیا کرنے والے کی سزا موت رکھی ہے
اور ان کو تنگ کرنے کی سزا سات سال قید رکھی ہے یہ سزا سب کے
لیے ہے لیکن گاندھی بھگتوں کے لیے اب یہ دونوں جانور دیوتاؤں کا
درجہ رکھتے ہیں۔ اس لیے اُن سے تو ہم مطمئن ہیں کہ وہ گائے اور بکری
کی ہر طرح رکھشا کریں گے لیکن مسلمان کے دل میں گائے دشمنی ابھی تک
باقی ہے اور بکری کے گوشت پر تو وہ جان دیتا ہے اس لیے ہمیں یہ
ڈر تھا کہ اپنے گھر میں یہ دونوں جانور دیکھ کر اس کی نیت میں کبھی نہ کبھی
ضرور فتور آجائے گا اور اگر اس نے کبھی ان جانوروں پر چھری پھیر دی تو
ہمیں قانون کے احترام میں اسے پھانسی کی سزا دینا پڑے گی اور اگر
ہم اس کے جرم سے چشم پوشی بھی کریں تو اس کی بستی یا شہر کے گاندھی بھگت
جو ان جانوروں کی پوجا کرتے ہیں اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے اس لیے
یہ قانون جسے آپ مسلمانوں کی حق تلفی سمجھتے ہیں۔ دراصل اُن کی حفاظت
کے لیے بنایا گیا ہے۔ اب آپ کی حکومت اگر چاہے تو اس کے عوض
ہندوؤں کو کوئی ایسا جانور پالنے سے منع کر سکتی ہے۔ جسے آپ متبرک

سمجھتے ہیں مثلاً اونٹ۔

ظہیر: آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اونٹ کی حیثیت ہماری نظر میں
ایک جانور سے زیادہ نہیں۔ ہم اسے گائے اور بکری کی طرح خوش
ہو کر کھاتے ہیں اور جو چیز ہم اپنے لیے حلال سمجھتے ہیں دوسروں
کے لیے حرام نہیں بنا سکتے۔

راشٹرپتی: یہ آپ کی اپنی مرضی ہے ہم اس میں دخل نہیں دے سکتے۔

ظہیر: تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ مسلمانوں کو دودھ اور مکھن سے محروم
کرنا چاہتے ہیں۔ شاید آپ نے یہ نہیں سوچا کہ دودھ اور مکھن کی جس
قدر آپ کے ملک کے مسلمانوں کو ضرورت ہے اس قدر ہمارے
ملک کے گاندھی بھگتوں کو ضرورت ہے۔ اور مجبوری کی صورت میں
ہمیں بھی اس قسم کا ایک واہیات قانون بنانا پڑے گا۔

راشٹرپتی: (چونک کر) وہ کیا؟ آپ کا مطلب ہے کہ آپ پاکستان کے
ہندوؤں کو گائے اور بکری پالنے سے منع کر دیں گے

ظہیر: میں خوش ہوں کہ آپ جلد سمجھ گئے۔ اب میں یہ پوچھتا ہوں کہ آپ
مسلمانوں پر سے پاگل کتوں، زہریلے سانپوں۔ بچھوؤں اور خطرناک درندوں
کو مارنے کی پابندی اٹھائیں گے یا ہم جواب میں پاکستان کے ہندوؤں
کا یہ حق چھین لیں۔

راشٹرپتی: اگر آپ ہندوؤں کا یہ حق چھین لیں تو ہمیں بہت خوشی ہوگی۔
کیونکہ ہم کسی صورت میں جیو ہتیا نہیں چاہتے۔ ہم یہ بھی چاہتے ہیں۔
آپ ماس کھانے والے ہندوؤں کو پھانسی کی سزا دیں۔ تاکہ وہ بھی
ہماری طرح سچے گاندھی بھگت بن جائیں۔

ظہیر : اگر پاکستان کے ہندو متفق ہو کر ایسا قانون بنانا چاہیں۔ تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں لیکن آپ کو یہ حق نہیں کہ آپ مسلمانوں کی مرضی کے بغیر ان کے لیے قانون بنائیں۔ آپ سانپ کو ایک دیوتا سمجھتے ہیں لیکن مسلمان اسے اپنا دشمن سمجھتا ہے۔ آپ بکری کی پوجا کرتے ہیں لیکن مسلمان اسے ایک کارآمد جانور سمجھتا ہے۔ اس لیے ایسے قوانین بنانا مذہبی رواداری کی سراسر توہین ہے۔

راشٹرپتی : میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں کہ اس ملک میں مچھر سے لے کر ہاتھی تک تمام جاندار ہمارے بزرگوں کی بدلی ہوئی صورتیں ہیں اور ہم مسلمانوں کو یہ اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ان کے گلے پر چھریاں چلائیں مگر ہم اتنی زبردست اکثریت کے مالک ہوتے ہوئے بھی ان کی رکھشا نہ کر سکیں تو تف ہے ہماری زندگی پر آپ اپنی حکومت کو مشورہ دیں کہ جو مسلمان ماس کھانا چاہتے ہیں انھیں پاکستان میں آباد کرے ورنہ اگر وہ ہم سے اس قانون کا بدلہ لینا چاہتے ہیں تو جیو ہتیا کے متعلق پاکستان کے ہندوؤں کے لیے ایسے قانون بنا دے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا بلکہ یہ بھی گاندھی دھرم کی شاندار فتح ہوگی۔

ظہیر : خدا کا شکر ہے کہ ہم ایسی واہیات باتیں نہیں سوچ سکتے۔ ہماری حکومت ایسی باتوں پر آپ کی حکومت سے ٹکرانا پسند نہیں کرے گی۔ ہماری حکومت یہ سمجھتی ہے کہ ایسا خلافِ فطرت قانون دیر تک کسی ملک میں نہیں چل سکتا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ نے جس سمندر میں کشتی ڈالی ہے۔ اس کا آخری کنارا دیکھ لیں۔ قانون قدرت اپنے باغیوں کو خود راہِ راست پر لے آتا ہے۔ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ آپ

کے گھر سانپوں۔ بچھوؤں اور جنگلی درندوں کے مسکن بنے ہوئے ہیں اس خطۂ زمین پر آپ کے جانوروں کی آبادی اس قدر بڑھ جائے گی کہ آپ کے لیے سانس لینا دشوار ہو جائے گا۔

راشٹرپتی : ہمیں اس بات کی پرواہ نہیں ہم انھیں اپنی روٹی کے ہر نوالے میں حصہ دار سمجھتے ہیں۔

ظہیر : (اٹھتے ہوئے) بہت اچھا۔ میں اپنی حکومت کو آپ کے خیالات سے مطلع کر دوں گا اور انشاء اللہ پرسوں تک آپ کو ہماری حکومت کی جوابی کارروائی کی اطلاع پہنچ جائے گی۔ ہاں اتنا میں آپ کو اب بھی بتا سکتا ہوں کہ آپ کے قانون کی وہ دفعہ حکومتِ پاکستان کیلئے ناقابل برداشت ہوگی جس کی رو سے مسلمانوں کو گائے اور بکریاں پالنے کی اجازت نہیں۔ اس کا مقصد مسلمانوں کو نہ صرف دودھ اور مکھن سے محروم کرنا ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ بیلوں سے محروم ہو کر کھیتی باڑی چھوڑ دیں اور اپنی زمینیں سستے داموں گاندھی بھگتوں کے ہاتھ فروخت کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ آپ یہ کہہ چکے ہیں کہ اگر ہم پاکستان کے ہندوؤں کو گوشت کھانے سے محروم کر دیں تو آپ کو خوشی ہوگی لیکن کیا آپ یہ پسند کریں گے کہ ہم پاکستان کے ہندوؤں سے گائے بکری پالنے کا حق چھین لیں۔ اور کھیتی باڑی کے لیے انھیں بیل رکھنے کی بھی اجازت نہ دیں

راشٹرپتی : (سراسیمہ ہو کر) ہرگز نہیں۔ ہمارا قانون دھرم کی رکھشا کے لیے ہے اور آپ کا قانون انتقامی جذبے کے ماتحت ہوگا۔ اس کے علاوہ جب تک پاکستان کے ہندو سو فیصدی گاندھی بھگت نہیں بن جاتے۔ ہمیں ان کے متعلق کوئی خاص پریشانی نہیں ہوگی۔

ظہیر: جسے آپ اپنے دھرم کی رکھشا کہتے ہیں۔ ہم اسے مسلمان کے دھرم پر ایک حملہ سمجھتے ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ قانونِ قدرت ہر دھپڑ کا ایک جواب ہے۔ میں جانتا ہوں (ظہیر اپنا تھیلا اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھتا ہے۔

راشٹرپتی: ٹھہریئے۔ مسٹر! مولانا..... میاں ال عباس دیں.... ٹھہریئے (ظہیر واپس لوٹ آتا ہے) تشریف رکھیئے (ظہیر گاندھی کی مورتی ایک طرف ہٹا کر اپنا تھیلا میز پر رکھ دیتا ہے)۔ (راشٹرپتی اور سکریٹری کے چہرے پر اضطراب کے آثار نمودار ہوتے ہیں)

ظہیر: (اپنی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے) نماز کا وقت ہو رہا ہے۔ میں زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ اور ٹھہر سکتا ہوں۔

راشٹرپتی: ہم اپنی ہمسایہ سلطنت کے ساتھ خواہ مخواہ نہیں الجھنا چاہتے۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ جمہوری حکومت میں اکثریت کا فیصلہ سب کا فیصلہ سمجھا جاتا ہے۔ جس طرح پاکستان کی حکومت کو مسلم اکثریت کے فیصلوں کا احترام کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح ہمیں اپنے دیش میں گاندھی بھگتوں کی اکثریت کے فیصلوں کا احترام کرنا پڑتا ہے۔

ظہیر: خدا کا شکر ہے کہ پاکستان کی اکثریت ایسے لغو اور بیہودہ فیصلے نہیں کرتی۔

راشٹرپتی: دیکھئے آپ بار بار یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں (مہاتما گاندھی کی مورتی کی طرف دیکھتے ہوئے) اگر مہاتما جی ہمیں اہنسا کی تعلیم نہ دیتے تو میں آپ کو یہ دکھ دینے والے الفاظ واپس لینے پر مجبور کر دیتا۔

ظہیر: یہ اپنی اپنی سمجھ کا فرق ہے ہم جسے برا سمجھتے ہیں اسے برا کہتے ہیں۔ ہمارے لیے سیاہی سیاہی ہے اور سفیدی سفیدی۔ بیہودگی اور لغویت کے لیے ہماری لغت میں اور کوئی الفاظ نہیں۔

راشٹرپتی: میں اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتا۔ میں آپ کو معاف کرتا ہوں

ظہیر: لیکن میں آپ سے معافی نہیں مانگتا۔ میں نے آپ کے متعلق کچھ نہیں کہا۔ میرے الفاظ اس قانون سے متعلق تھے جسے میں مضحکہ خیز سمجھتا ہوں۔ جسے ہر سلیم الفطرت انسان مضحکہ خیز سمجھتا ہے اگر ہم ایسے واہیات، لغو اور بیہودہ قانون بنائیں تو نہ صرف پاکستان میں آپ کے سفیر بلکہ ہر غیر مسلم کو یہ حق ہوگا کہ وہ اسے ایسے ناموں سے یاد کرے۔

راشٹرپتی: خیر اب بحث کو چھوڑیئے۔ میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ آپ اپنی حکومت کو جوابی کارروائی کا مشورہ نہ دیں۔ میں نے مسلمانوں کے لیے ایک تجویز سوچی ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ آپ کے لیے قابل قبول ہوگی۔

ظہیر: اگر آپ کے ملک کے مسلمانوں کی اکثریت اس تجویز کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

راشٹرپتی: مجھے یقین ہے کہ مسلمان اس تجویز کو نہ صرف قبول کریں گے، بلکہ خوشی سے قبول کریں گے۔ سنیئے! ہم مسلمانوں کو کاشت کاری کے لیے بیلوں کے عوض گھوڑے، گدھے، اونٹ اور بھینسے دے سکتے ہیں۔ وہ زمینیں جن میں یہ جانور کام نہیں دے سکتے ان کے لیے انھیں مشینیں دی جائیں گی لیکن ہماری سکیم یہ ہے کہ دس سال کے اندر اندر ملک کی تمام کاشت کاری مشینوں کے ساتھ ہو۔ ہمارے لیے ہر جانور کی تکلیف ناقابل برداشت ہے یہ مشینیں ہم ہندوؤں

سے پہلے مسلمانوں میں تقسیم کریں گے اور میرا اندازہ ہے کہ تین سال
کے اندر اندر ہم اس قدر مشینیں تیار کر لیں گے جو مسلمان کی ضرورت
کے لیے کافی ہوں۔

ظہیر: کیا ان کی مالی حالت ایسی ہے کہ وہ مشینیں خرید کر رکھیں۔

راشٹرپتی: حکومت ان پر بہت تھوڑا منافع رکھے گی وہ ان کی قیمت کا
کچھ حصہ اپنے گدھے، گھوڑے، اونٹ اور بھینسے بیچ کر ادا کر سکیں گے
باقی ہم معمولی قسطوں میں وصول کر لیں گے۔

ظہیر: ان فالتو جانوروں کو آپ کیا کریں گے۔

راشٹرپتی: انھیں سرکاری چراگاہوں میں آزاد چھوڑ دیا جائے گا۔

ظہیر: اور دودھ اور مکھن کے متعلق آپ نے کیا تجویز سوچی؟

راشٹرپتی: اس کے متعلق میں نے جو تجویز سوچی ہے۔ اس سے آپ یقیناً
خوش ہوں گے وہ یہ ہے کہ ہر گاؤں اور ہر شہر میں سرکاری خرچ پر
ایک گئوشالا اور ایک بکری شالا کھولی جائے گی اور جو گائیں اور بکریاں
مسلمانوں سے چھینی جائیں گی۔ انھیں وہاں رکھا جائے گا۔ حکومت
کے گاندھی بھگت ملازم ان کی دیکھ بھال کریں گے اور ہر روز ان
کا دودھ دوہ کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا کریں گے۔ مسلمانوں کا یہ فرض
ہوگا کہ وہ ان کے لیے چارہ مہیا کریں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کو اپنے
گھروں میں بھینس پالنے کی اجازت ہوگی لیکن سرکاری ڈاکٹر ہر ہفتے
ان کا معائنہ کریں گے اور اگر کسی بھینس کے جسم پر خراش تک پائی
گئی تو انھیں سزا ضرور دی جائے گی۔

ظہیر: میں آپ کی یہ تجاویز حکومتِ پاکستان کو بھیج دوں گا اور اس کے

جواب سے آپ کو مطلع کر دوں گا۔

راشٹرپتی: اب تو میرے خیال میں آپ کی حکومت کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے

ظہیر: جہاں تک آپ کے قوانین کا تعلق ہے دنیا کا کوئی سلیم الفطرت
انسان انھیں دلچسپ مذاق سے زیادہ حیثیت نہیں دے گا تاہم مجھے
یقین ہے کہ ہماری حکومت آپ کے ملک کی مسلم رائے عامہ کا اچھی
طرح مطالعہ کرنے سے پہلے کوئی قدم نہ اٹھائے گی۔ (گھڑی کی طرف
دیکھتے ہوئے) او ہو مجھے بہت دیر ہو گئی۔ نماز کا وقت جا رہا ہے۔
میں یہیں پڑھ لیتا ہوں۔

(راشٹرپتی پریشان ہو کر اپنے سیکرٹری کی طرف دیکھتا ہے)

سیکرٹری: لیکن .... لیکن آپ وضو.....

ظہیر: میرا وضو ہے (میز کی طرف پیٹھ کرتے ہوئے) غالباً قبلہ اسی طرف
ہے۔ (اپنی اچکن اتار کر نیچے بچھا لیتا ہے)

راشٹرپتی سیکرٹری کے کان میں کچھ کہتا ہے اور وہ بکری
اور گاندھی کی مورتی اٹھا کر باہر نکل جاتا ہے ظہیر مڑ کر
سیکرٹری کی طرف دیکھتا ہے) شکریہ۔

راشٹرپتی: کس بات کا؟

ظہیر: آپ نے میری نماز کی خاطر کمرے سے مورتیاں اٹھوائی ہیں۔

راشٹرپتی: (گھبرا کر) آپ برا نہ مانیں۔ ان مورتیوں کو اس وقت ہر روز گنگا جل
سے دھویا جاتا ہے۔

ظہیر: دھات کے لیے پالش بہتر ہوتا ہے۔ پانی سے ان کی چمک خراب
ہو جائے گی (نیت باندھ کر کھڑا ہو جاتا ہے)

(راشٹرپتی بیقراری سے کمرے میں ٹہلتا ہے۔ ظہیر
نماز ختم کرکے اچکن اور جوتا پہنتا ہے۔ سیکرٹری
مورتیاں لاکر میز پر رکھ دیتا ہے۔ ٹیلیفون کی
گھنٹی بجتی ہے۔ راشٹرپتی ریسیور اٹھاکر کان سے
لگانے کے بعد ظہیر کی طرف دیکھتا ہے۔)

راشٹرپتی : آپ کا سیکرٹری آپ سے بات کرنا چاہتا ہے۔

(ظہیر راشٹرپتی کے ہاتھ سے ریسیور پکڑ کر کان
سے لگاتے ہوئے دونوں مورتیاں ایک
طرف ہٹا کر بیٹھ جاتا ہے۔)

ظہیر : (ٹیلیفون پر) میں ابھی آتا ہوں۔ میرے سفر کا سامان تیار کروا چھوڑو
(ریسیور رکھ کر راشٹرپتی کی طرف دیکھتے ہوئے) مجھے اپنی حکومت کی
طرف سے آج شام سے پہلے لاہور پہنچنے کا حکم ہوا ہے۔ میں آج ہوائی
جہاز پر جارہا ہوں۔

(ظہیر راشٹرپتی سے مصافحہ کرنے کے بعد کمرے
سے نکل جاتا ہے۔)

: (سیکرٹری کی طرف دیکھ کر غصے سے کانپتے ہوئے) عجیب بیوقوف
ہو تم۔ کیا جب تک وہ اس کمرے میں تھا۔ تم مورتیوں کو کسی دوسرے
کمرے میں نہ رکھ سکتے تھے تم انھیں گنگاجل سے پوتر کرنے کے بعد
پھر یہاں کیوں لے آئے۔ اب وہ دوبارہ انھیں بھرشٹ کر گیا ہے۔

سیکرٹری (سہمی ہوئی آواز میں) مہاراج میں پھر انھیں بھرشٹ نہیں نہیں
پوتر کرلاتا ہوں۔

راشٹرپتی (گرجتی ہوئی آواز میں) اس نے میرے کمرے میں نماز پڑھی۔ میرے
کمرے میں ہندوستان کے راشٹرپتی کے کمرے میں اور تم الّو کی طرح
خاموش کھڑے تھے۔

سیکرٹری : مہاراج مجھے تو آپ نے مورتیاں دھونے کے لیے باہر بھیج دیا تھا۔

راشٹرپتی : لیکن تم جانتے ہو اس نے کیا خیال کیا؟

سیکرٹری : کیا خیال کیا مہاراج۔

راشٹرپتی (غصے سے کانپتے ہوئے) تمہارا سر، وہ یہ سمجھتا تھا کہ ہم نے اس کی
نماز کی خاطر مورتیاں اٹھائی ہیں۔

سیکرٹری : لیکن مہاراج اس میں میرا کیا قصور۔ آپ مجھے حکم دیتے۔ میں انھیں
وہیں رہنے دیتا۔

راشٹرپتی : آخر تم ہو کس لیے۔ کیا یہ تمہارا فرض نہیں کہ ایسے گدھوں کو میرے
کمرے میں لانے سے پہلے سمجھا لیا کرو یہ پوتر مورتیاں ہیں کھلونے نہیں
اور یہ راشٹرپتی کا دفتر ہے مسجد نہیں۔

سیکرٹری : مہاراج میں معافی چاہتا ہوں اور آئندہ ان باتوں کا خیال رکھا
کروں گا۔

راشٹرپتی : اور تمہارا یہ بھی فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو نماز سے پہلے یہ بتا دیا کرو
کہ تمہاری نماز کا وقت ہو رہا ہے اور آج ہمارے کمرے میں گنگاجل چھڑکنے
کا انتظام کرو اور ہاں ۔۔۔ کیا نام اس کا ابوال ۔۔۔؟

سیکرٹری : (مسکراتے ہوئے) ظہیر

راشٹرپتی : (جھنجھلاکر) اتنا تو مجھے بھی یاد ہے۔ میں پورا نام پوچھتا ہوں۔

سیکرٹری : پورا نام ۔۔۔؟ پورا نام مہاراج ۔۔۔ اس کا پورا نام ۔۔۔

(فائل اٹھاتا ہے لیکن راشٹرپتی غصّے کی
حالت میں اس سے فائل چھین لیتا ہے)

راشٹرپتی : فائل سے میں بھی پڑھ سکتا ہوں (چند ورق الٹنے کے بعد) یہ ہے فخرالدولہ احتشام الملک عمادالدین ابوالاسد ظہیرالدین بابر ابن سیف یوسف عباس قاسمی

(چند بار نام کے الفاظ دہرانے کے بعد سیکرٹری
کی طرف دیکھتے ہوئے)

پاکستان کے راشٹرپتی اور وزیر خارجہ کے نام چٹھی لکھو کہ یہ شخص بہت شرارتی ہے بات بات پر ہمیں تنگ کرتا ہے اس لیے اس کی جگہ کسی اور شخص کو سفیر بنا کر بھیجا جائے۔ جلدی کرو یہ چٹھی اس کے واپس لوٹنے سے پہلے وہاں پہنچ جانی چاہیئے۔

سیکرٹری : بہت اچھا مہاراج میں ابھی لکھ لاتا ہوں۔ (دروازے کی طرف
قدم اٹھاتا ہے)

راشٹرپتی : ٹھہرو میں خود لکھواتا ہوں۔

(سیکرٹری کرسی گھسیٹ کر میز کے سامنے
بیٹھ جاتا ہے اور کاغذ قلم اٹھا کر راشٹرپتی
کی طرف دیکھتا ہے۔)

یہ چٹھی ہمارے وزیر خارجہ کی طرف سے لکھو اور آج ہی اس کے دستخط کروا کے بھیج دو۔ ہاں لکھو ..... آپ کا سفیر نہایت تند مزاج آدمی ہے یہ ہمارے راشٹرپتی کے ساتھ اس طرح پیش آتا ہے جیسے وہ کوئی اس کے لنگوٹیے یار ہیں۔ یہ ان سے اجازت لیے بغیر ان کے دفتر میں گھس جاتا ہے اور پوتر مورتیوں کو بھرشٹ کر دیتا ہے اور راشٹرپتی کے دفتر

میں نماز بھی پڑھتا ہے اور اذان بھی دیتا ہے۔ آج اس نے ہنستے ہنستے سیاہی کی ایک بوتل راشٹرپتی کی میز پر الٹ دی تھی اور جوتوں سمیت میز پر چوکڑی مار کر بیٹھ گیا۔ یہ سگرٹ پی کر دھواں راشٹرپتی جی کے منہ پر پھینکتا تھا۔ چونکہ راشٹرپتی جی یہ نہیں چاہتے کہ حکومت پاکستان کے ساتھ ہماری حکومت کے تعلقات خراب ہوں اس لیے وہ یہ سب کچھ برداشت کرتے ہیں لیکن ایسے غیر ذمہ دار آدمی کا ایک ذمّہ دار عہدے پر فائز ہونا ہمارے لیے بھی تکلیف دہ ہے اور آپ کے لیے بھی فائدہ مند نہیں ہو سکتا۔ اس لیے میرا یہ پُرزور مطالبہ ہے کہ اس عہدہ پر کسی ذمہ دار آدمی کو مقرّر کیا جائے۔ ورنہ ایسے شخص کی حرکات کسی وقت بھی ہماری حکومتوں کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی ہیں۔ اب تم جاؤ اور اس خط پر وزیر خارجہ کے دستخط لے لو۔ اور اس کے بعد یہ مورتیاں اور میرا کمرہ پوتّر کرو۔

(سیکرٹری چلا جاتا ہے)

گوشت خوروں سے چند شکایات

ان واقعات کے دو سال بعد ہندواستھان کے مسلمانوں کی حکومت کے خلاف سب سے بڑی شکایات یہ تھیں کہ شہروں اور دیہات میں گئو شالا اور بکری شالا کے گاندھی بھگت منتظمین مسلمانوں کو گائے کا دودھ تقسیم کرنے سے پہلے اس میں سے مکھن نکال کر بحق سرکار ضبط کر لیتے ہیں اور بکریوں کے دودھ میں بھی پانی ملایا جاتا ہے اس کے علاوہ سبزیاں کھا کھا کر ان کے معدے خراب ہو گئے ہیں۔ گزشتہ دو عیدوں پر جن مسلمانو نے دُنبوں کی قربانیاں دی تھیں انھیں حکومت نے سخت سزائیں دیں۔ یہ مذہب پر ایک ناقابلِ برداشت حملہ ہے۔ ان شکایات سے حکومت کی بے پروائی کے باعث ایک زبردست تحریک اٹھی جس کے لیڈروں کے نعرے یہ تھے "خالص دودھ لے کے رہیں گے۔" گوشت کھانا ہمارا پیدائشی حق ہے"۔ حکومت نے یہ تحریک خلافِ قانون قرار دے دی لیکن عوام کا جوش و خروش بڑھتا گیا اور ریڈیو پر ہندواستھان کی حکومت کو تین ماہ کے عرصہ میں چالیس بار یہ اعلان کرنا پڑا کہ حکومت کو فلاں فلاں شہر میں مجبور ہو کر انتہا پسندوں پر گولیاں چلانی پڑیں لیکن کوئی قابلِ ذکر نقصان نہیں ہوا۔ بالآخر حکومت نے تیس لیڈروں کی راؤنڈ ٹیبل کانفرنس بلائی۔ جن میں سے سولہ نے اس اعلان پر دستخط کر دیئے کہ مسلمانوں کا مذہب انھیں حاکم وقت کے خلاف بغاوت کی اجازت

نہیں دیتا اگر وہ پُرامن رہیں تو حکومت یقیناً اپنے فیصلوں پر نظرِ ثانی کرے گی لیکن باقی چودہ لیڈروں کا یہ فتویٰ تھا کہ اس اعلان پر دستخط کرنے والے حکومت کے ہاتھ بکے ہوئے ہیں حکومت نے ان چودہ لیڈروں کو گرفتار کر لیا اور چھ ماہ کے بعد ہندواستھان کے مرکزی براڈ کاسٹنگ اسٹیشن سے یہ اعلان ہوا کہ حکومت کی افواج نے انتہا پسندوں کی بغاوت کچل دی ہے اور گاندھی بھگت اور مسلمان آپس میں بھائیوں کی طرح رہتے ہیں۔ اس دوران میں مسلمانوں کے اخبارات پر سنسر بٹھا دیا گیا تھا اور پاکستان ریڈیو سننے کی سخت ممانعت کر دی گئی تھی۔ ایک سال قید کے بعد پاکستان کے پُرزور احتجاج کے بعد مسلمانوں کے چودہ لیڈر قید سے رہا کیے گئے اور انھوں نے چند دنوں کے غور و فکر کے بعد یہ فتوے دے دیا کہ اس ملک میں رہ کر مسلمان اپنے مذہبی رسوم پورے نہیں کر سکتے۔ اس لیے انھیں پاکستان میں ہجرت کر جانی چاہیئے اور اپنے مسلمان بھائیوں کو جوابی کارروائی کے لیے آمادہ کرنا چاہیئے۔ پاکستان کی طرف سے جوابی کارروائی کے خدشہ اور ہندواستھان میں رام راج کی بڑھتی ہوئی شہرت نے پاکستان کے ہندوؤں میں بھی ہندواستھان میں آباد ہونے کا احساس پیدا کر دیا۔ دونوں ہمسایہ حکومتوں نے اس تحریک کو لبیک کہا اور ہندواستھان کے مسلم مہاجرین اور پاکستان کے ہندو پناہ گزین ایک دوسرے سے اپنی اپنی جائیدادوں کا تبادلہ کرنے لگے لیکن پاکستان میں اکثر ہندو گوشت خور تھے۔ انھوں نے ہندواستھان میں رام راج کی برکتوں سے مالا مال ہونے کے لالچ پر بھی اپنے دال خور ہندو بھائیوں کا ساتھ دینا پسند نہ کیا۔ پانچ سال کے عرصہ میں پاکستان کی ہندو آبادی تیس فیصدی ہندواستھان میں اور ہندواستھان کی مسلم آبادی اکانوے فیصدی پاکستان میں منتقل ہو چکا تھا جن مسلم مہاجرین کو جائیداد کے تبادلے کے لیے کوئی ہندو نہ ملے انھیں پاکستان کے مسلمانوں نے ہندواستھان کی حکومت سے مطالبہ کیا کہ مسلمان جتنی زمین اور جس قدر جائیدادیں ہندواستھان میں چھوڑ کر آئے ہیں انھیں یا تو اُن کے پورے دام دیئے جائیں یا اُن کے

عوض انھیں ہندواستھان کا کوئی ایسا علاقہ دے دیا جائے جو پاکستان کی سرحد کے ساتھ ملتا ہو۔ ہندواستھان کی حکومت چونکہ کروڑوں روپیہ سرحد کی دفاعی چوکیوں پر خرچ کر چکی تھی اس لیے اس نے قریباً ایک سال کے لیس و پیش کے بعد مسلمانوں کی جائیدادوں کی قیمت ادا کرنا منظور کر لیا۔ مسلمانوں کو یہ شکایت تھی کہ انھیں روپے میں سے صرف آٹھ آنے وصول ہوئے ہیں تاہم وہ خوش تھے کہ خدا کی اس زمین پر خالص دودھ اور گوشت کھانے کی عام اجازت ہے وہ دس فیصدی مسلمان جنھوں نے ہندواستھان چھوڑنا قبول نہ کیا مہابلی استر اخان دلیس راج کے پیرو تھے اور مہابلی استر اخان دلیس راج کی سو فیصدی ہندوؤں کی عقیدت اس لیے تھی کہ آپ جیو ہتیا کو پاپ سمجھتے تھے اور دس فیصدی مسلمان کو اس لیے ان سے محبت تھی کہ آپ اکھنڈ ہندوستان متحدہ قومیت کے بہت بڑے علمبردار مولانا یوسف خان بھگت رام کے فرزند ارجمند تھے۔

تیس سال کے بعد

(۳۰)

پاکستان اپنے خیال کے مطابق ابھی ترقی کی ابتدائی منازل پر تھا۔ تاہم ایشیا کی ہر سلطنت اسے ایک طاقت ور ہمسایہ خیال کرتی تھی۔ ہندواستھان کے لیڈر اپنے خیال کے مطابق بیس سال قبل آسمان کے تارے نوچ رہے تھے لیکن ان کی توقع سے زیادہ دیوتاؤں کے انعامات کی بڑھتی ہوئی بارش نے ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تھا ان کے محکمۂ نشر و اشاعت کی اس رپورٹ کے مطابق جو رام راج کی چالیسویں سالگرہ پر شائع ہوئی۔ ہندواستھان میں انسانوں کی اصل صورتیں گھٹتی جاتی تھیں۔ اداگون کے چکر کی رفتار کچھ اس قدر تیز تھی کہ بعض مفکرین یہ خیال کرتے تھے کہ رام راج کی برکتوں سے متاثر ہو کر وہ بے شمار روحیں بھی جانوروں کی شکل میں تبدیل ہو کر اس ملک پر نازل ہو رہی ہیں۔ جو گزشتہ صدیوں میں سترجونیں تبدیل کر کے نروان حاصل کر چکی تھیں۔ رپورٹ کا خلاصہ یہ تھا کہ ہندواستھان کے جانوروں کو اگر انسانی آبادی پر یکساں طور پر تقسیم کیا جائے۔ تو ہر انسان کے حصے میں اندازاً سو گائے۔ تین سو بکری پچاس گدھے، تیس گھوڑے۔ سو بھینس۔ ایک ہزار سانپ۔ چار سو کتے۔ پچاس بندر، پانچ ہر نسل کے جنگلی درندے۔ ایک ہاتھی۔ تیس اونٹ دو سو بلیاں۔ پندرہ سو مرغیاں۔ دو سو بھیڑیں آتی ہیں۔ جنگلی چوپاؤں، پرندوں، چوہوں مکھیوں اور مچھروں کا کوئی شمار نہیں۔ ہندواستھان میں رام راج کی چالیسویں سالگرہ کے

بعد میاں عبدالشکور نے جو لاہور کے ایک اخبار کے رپورٹر تھے۔ واردھا میں چند ماہ قیام
کے بعد ہندواستھان کے متعلق ایک دلچسپ رپورٹ لکھی۔ بعض تاریخ دانوں کا خیال
ہے کہ میاں عبدالشکور نے کسی حد تک مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے لیکن اس رپورٹ کی
اشاعت سے پانچ سال بعد ہندواستھان کے ایک پناہ گزین نے جو بیان لاہور پہنچ
کر دیا وہ اس رپورٹ کی تصدیق کرتا ہے۔

میاں عبدالشکور کی رپورٹ

ہندواستھان کی ایک وسیع چراگاہ ہے جہاں دودھ کی نہریں بہتی ہیں لیکن
پینے والے بہت کم ہیں جہاں آکر ایسا معلوم ہوتا ہے اصلی آبادیاں جانوروں کی ہیں۔
اور انسانوں کی حیثیت محض ایک تماشائی کی ہے۔ سانپوں اور جنگلی جانوروں نے بے شمار
بستیاں خالی کرالی ہیں بڑے بڑے شہروں کی یہ حالت ہے کہ ٹرامیں چل رہی ہیں۔ لوگ
دکانوں پر خرید و فروخت کر رہے ہیں۔ بازار کے کسی چوک میں تماشائی ایک مداری کے گرد
جمع ہیں۔ لیکن اچانک ایک ہرن یا نیل گائے بے تحاشہ بھاگتی ہوئی بازار میں داخل ہوتی
ہے۔ اور اس کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہزاروں سوار سرپٹ گھوڑے بھگائے شہر میں
داخل ہو رہے ہیں۔ لوگ بھاگ بھاگ کر اپنے گھروں میں چھپ جاتے ہیں اور دروازے
بند کر لیتے ہیں۔ ٹرامیں بند ہو جاتی ہیں۔ کاریں رُک جاتی ہیں۔ بھاگتے ہوئے جانوروں کی
آہٹ قریب سنائی دیتی ہے اور اچانک بیشمار نیل گائے یا ہرن یا جنگل کے کسی اور جانور کا ریوڑ
نمودار ہوتا ہے۔ شہر میں ایک زلزلے کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ریوڑ گزر جاتا ہے
اور ایک لمحہ کے وقفہ کے بعد جانوروں کے کسی اور قبیلے کا لشکر نمودار ہوتا ہے۔ پھر بھیڑیوں
کی چیخیں اور شیروں کی گرج سنائی دیتی ہے اور یہ بھی گزر جاتے ہیں۔ یہ عمل دن میں
کئی بار دہرایا جاتا ہے اور دیکھنے والے کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جانوروں کے مختلف قبائل

شہروں کو بھول بھلیاں سمجھ کر آنکھ مچولی کھیل رہے ہیں۔ بندروں نے زبردستی اپنے شہری حقوق منوا لیے ہیں۔ ایک دن میں اپنے ہوٹل کی بالکنی میں کھڑا تھا کہ شہر میں بکریوں کا ایک لشکر جرار داخل ہوا لیکن عجیب بات یہ تھی۔ ہر بکری پر ایک ایک بندر سوار تھا اور اسے چھڑی کے ساتھ بُری طرح ہانک رہا تھا۔

ایک دن میں اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا اخبار پڑھ رہا تھا۔ میرے ہاتھ میں سگریٹ تھا۔ اچانک میں نے محسوس کیا کہ کسی نے سگریٹ چھین لیا ہے۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو ایک بندر میرے بستر پر بیٹھ کر بڑے اطمینان سے سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ میں ابھی اس کی طرف دیکھ رہا تھا کہ میرے ہاتھ سے کسی نے اخبار بھی چھین لیا۔ میں نے سامنے دیکھا تو اس کا دوسرا ساتھی میز پر بیٹھ کر نہایت انہماک سے اخبار کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میز کے نیچے سے ایک اور بندر نمودار ہوا، اور اس نے میری دوات اٹھا کر سیاہی کا ایک گھونٹ پینے کے بعد باقی میرے کاغذات پر الٹ دی اور پھر میری ٹوپی اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی۔ دوسرے بندر نے اخبار پھینک دیا اور اپنے ساتھی سے ٹوپی چھیننے کی کوشش کی میں نے انھیں ڈرانے کے لیے ہاتھ اٹھایا لیکن پیچھے سے وہ بندر جو میز پر بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ مجھ پر جھپٹا اور میری عینک اتار کر لے گیا۔ اتنی دیر میں میز پر میری ٹوپی کے ساتھ دو بندروں کی رسہ کشی ختم ہو چکی تھی۔ وہ ٹوپی کو دو غیر مساوی حصوں میں تقسیم کر چکے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں ٹوپی اور دوسرے کے ہاتھ میں اس کا پھندنا تھا۔ اب اُن کا تیسرا ساتھی بھی میرے بستر سے چھلانگ لگا کر میز پر آبیٹھا۔ اس نے میری عینک ماتھے پر چڑھا رکھی تھی اور میری قیمتی اچکن زیب تن کیے ہوئے تھا۔ اس کے ساتھی کو میری اچکن کے بٹن پسند آگئے اور وہ پھندنا پھینک کر اچکن پر ٹوٹ پڑا۔ اور دونوں میں کھینچا تانی شروع ہو گئی میری قوتِ برداشت جواب دے چکی تھی میں نے جلدی سے اٹھ کر دروازے کی چٹخنی لگا دی اور اپنی چھڑی اٹھا لی۔ اس ملک کے بندر انسانوں کو اپنے مقابلے میں ایک جنسِ حقیر سمجھنے کے عادی ہو چکے ہیں وہ ڈر کر

اِدھر اُدھر بھاگنے کی بجائے مجھے گھورنے لگے۔ میں نے ایک بندر کو چھڑی رسید کر دی۔ وہ چیخ مار کر ایک کونے میں کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد میں ان کی طرف متوجہ ہوا جو میری اچکن کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کی کوشش کر رہے تھے وہ بھی ایک ایک چھڑی کھا کر میری اچکن چھوڑ کر چیخیں مارتے ہوئے کمرے میں اِدھر اُدھر بھاگنے لگے لیکن اچانک بالکنی میں اور چھت پر بےشمار بندروں کی چیخیں اور ان کے بھاگنے کی آہٹ سنائی دی۔ بدقسمتی سے ایک روشندان کھلا تھا۔ ایک بندر نے روشندان سے جھانک کر اندر دیکھا اور بے تحاشا اندر کود پڑا۔ اس کے بعد دوسرا۔ غرض پانچ منٹ میں میرے کمرے میں پندرہ بیس بندر تشریف لا چکے تھے۔ میں نے بھاگ کر روشندان کی رسی کھینچ کر اسے بند کر دیا اور ایک کونے میں کھڑا ہو کر چھڑی گھما گھما کر انھیں ڈرانے لگا۔ اچانک مجھے کپڑے کے جلنے کی بو آئی۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ بندر نے جلتا ہوا سگریٹ بستر پر پھینک دیا تھا اور بستر کی چادر میں آگ سلگ رہی تھی۔ میں نے چادر اٹھا کر ایک طرف پھینک دی۔ اتفاق سے وہ ایک بندر پر جا پڑی اور اس نے اتارنے کی بجائے اسے اپنے جسم کے گرد لپیٹ لیا اب چند بندر اس سے چادر چھیننے کی کوشش کر رہے تھے اور چند میری طرف متوجہ تھے اچانک چادر والے بندر کو آنچ محسوس ہوئی اور وہ تڑپ کر چیخیں مارتا ہوا چادر سے الگ ہو گیا۔ اِدھر میری چھڑی ایک بندر کے سر پر لگی۔ اس نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ اب بندر میرے نزدیک پھٹکنے سے گھبراتے تھے اور صرف چیخوں پر قناعت کر رہے تھے۔ بالکنی اور چھت پر بھی ان کے بےشمار ساتھیوں نے کہرام مچا رکھا تھا اور روشندان کھڑکیاں اور دروازے توڑ کر کمرے میں گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہوٹل کے منیجر کی آواز سن کر میں نے دروازہ کھول دیا۔ دروازے پر منیجر کے علاوہ ایک تھانے دار اور پولیس کے سپاہیوں کا ایک دستہ کھڑا تھا۔ بندر انھیں دیکھ کر زیادہ شور مچانے لگے۔ پاکستان کے باشندوں کو تعجب ہو گا کہ ہندوستان کے باشندے جانوروں کی بولیاں سمجھتے ہیں۔ ایک بندر جس کے سر پر غالباً

میں نے چھڑی رسید کی تھی۔ تھانیدار کے کندھوں پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور اپنی مادری زبان میں چلا چلا کر کچھ کہنے لگا۔ ایک بندر تھانیدار کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر میری طرف اشارہ کر رہا تھا۔ یہ شاید وہ تھا جس پر میں نے جلتی ہوئی چادر پھینکی تھی۔ ہوٹل کے ملازمین نے حلوے کی ایک کڑاہی لا کر دروازے سے باہر رکھ دی اور تمام بندر کمرے سے باہر نکل کر ٹوٹ پڑے تھانیدار نے میری طرف گھور کر دیکھا اور کہا "آپ نے دلیش بھگت بندروں کو بہت تنگ کیا ہے۔ آپ کا پہلا قصور یہ ہے کہ آپ نے اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے چٹخنی بند نہیں کی۔" میں نے اس غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے جواب دیا "آپ کے دلیش بھگت مجھے اس غلطی کی سزا دے چکے ہیں۔ میری عینک ٹوٹ گئی ہے۔ میری اچکن اور ٹوپی کا ستیاناس ہو چکا ہے۔ میرے بستر کی چادر جل گئی ہے اور میری میز کے تمام کاغذات خراب ہو گئے ہیں۔

تھانے دار نے کہا "آپ کا دوسرا جرم یہ ہے کہ آپ نے بندروں پر تشدد کیا ہے۔ میرا فرض ہے کہ میں آپ کا چالان کروں" یہ کہہ کر وہ میرا بیان لکھنے کے لیے میز کے قریب بیٹھ گیا۔

میں نے کہا "میں نے بندروں کو تنگ کیا ہے یا بندروں نے مجھے تنگ کیا ہے بندر میرے کمرے میں گھس آئے تھے یا میں اُن کے کمرے میں گیا تھا"

تھانیدار نے بے پرواہی سے جواب دیا "اس دلیش کی ہر چیز سب کے لیے ہے" اس کے بعد تھانیدار نے میرا بیان لکھا اور مجھے اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہا۔ جب ہم ہوٹل سے باہر نکلے تو بندر مجھے دیکھ کر شور مچانے لگے اور تین بندر جن کی شاید میں نے کمرے میں مرمّت کی تھی ہمارے ساتھ ہو لیے۔ ایک گھنٹے کے بعد میں ایک عدالت کے سامنے ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا تھا اور تین بندر میرے قریب کرسیوں پر تشریف فرما تھے۔ عدالت نے دوبارہ میرا بیان لینے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ بندروں کی طرف

سے سرکاری وکیل نے میرے خلاف مقدمہ پیش کیا۔ اس کارروائی کو پورے پندرہ منٹ لگے اور میرے مقدمہ کا فیصلہ سُنا دیا گیا۔ مجھے تین سال قید با مشقت کی سزا ملنی چاہیئے تھی لیکن جج نے کمال مہربانی سے مجھے اس بات کی رعایت دی کہ میں پاکستانی تھا۔ اور مجھ سے جو کچھ ہوا اضطراب کی حالت میں ہوا۔ اس کے علاوہ میرا حملہ مدافعانہ تھا۔ اس لیے مجھے ایک سال دو ماہ تین دن قید کی سزا دی گئی جب مجھے ہتھکڑی پہنائی گئی تو بندر اپنی کرسیوں سے اچھل کر جج کی میز پر جا بیٹھے اور اس کے گلے لپٹ لپٹ کر اس کا منہ چومنے لگے۔ ایک بندر نے زیادہ محبّت جتانے کے لیے اس کی ٹوپی اتار کر اپنے سر پر رکھ لی۔

جس قید خانے میں مجھے رکھا گیا۔ اس میں تمام جیو ہتیا کے مجرم تھے اور ننانوے فیصدی مسلمان تھے جنھوں نے زیادہ متبرک جانور ذبح کر کے کھائے تھے۔ عمر قید کی سزا بھگت رہے تھے لیکن ان میں زیادہ تعداد ان لوگوں کی تھی۔ جنھوں نے سانپ مارے تھے۔ سانپ کے متعلق تو مجھے پہلے بھی علم تھا کہ گاندھی بھگت اسے مقدس دیوتا مانتے ہیں لیکن قید خانہ میں مجھے ان لوگوں کو دیکھ کر تعجب ہوا جنھیں جنگلی جانوروں مثلاً شیروں۔ چیتوں۔ بھیڑیوں وغیرہ سے مدافعانہ جنگ کرنے کے جرم میں قید کر لیا گیا تھا۔ مجھے ایسے لوگ بھی ملے جو پاگل کتوں کو مار ڈالنے کے جرم میں عمر قید کی سزا بھگت رہے تھے میں قیدیوں کے متعلق بہت کچھ لکھتا لیکن تیسرے دن جیل خانے کا ایک افسر میرے پاس آیا اور اس نے مجھے مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ آپ اب آزاد ہیں۔ میری حیرانی سے متاثر ہو کر اس نے مجھے ایک کاغذ دیا اور کہا آپ کے متعلق عدالت کا دوسرا فیصلہ یہ ہے۔ میں نے کاغذ پر سے یہ تحریر پڑھی "ہم نے ملزم عبدالشکور کو بندروں کو تنگ کرنے کے جرم میں ایک سال دو ماہ تین دن کی قید کی سزا دی تھی لیکن آج ہم اپنے فیصلے پر نظرثانی کرتے ہوئے اسے باعزّت طور پر بری کرتے ہیں" نیچے جج کے دستخط تھے۔

مجھے کار پر ہوٹل میں پہنچایا گیا۔ ہوٹل کے دروازے پر پاکستان کے نائب سفیر کا سیکرٹری
میرا انتظار کر رہا تھا۔ اس کی زبانی مجھے اپنی رہائی کی وجہ معلوم ہوئی۔ بات یہ ہوئی کہ میری
گرفتاری کے دن اس نے مجھے ٹیلیفون کیا، تو ہوٹل کے منیجر نے میری گرفتاری اور قید کے
تمام واقعات بیان کر دیئے۔ اس نے ایک طرف سفیر کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور
دوسری طرف لاہور میں اخبار کے منیجر کو تار بھیج دیا۔ شام کے وقت ریڈیو پاکستان نے
نہایت دلچسپ انداز میں میری گرفتاری اور قید کے واقعات بیان کیے۔ ماسکو، چنگنگ
واشنگٹن اور لندن کے ریڈیو نے اس کارروائی کا مذاق اڑایا۔ تیسرے دن علی الصباح
ہندوستان کے وزیر خارجہ نے اپنی میز پر پاکستان کے جتنے اخبارات دیکھے اس میں
یہ خبر بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ درج تھی۔ ایک اخبار میں ایک دلچسپ کارٹون بھی
تھا۔ چنانچہ وزیر خارجہ نے پاکستان کے سفیر کے ساتھ ٹیلیفون پر بات چیت کرنے کے بعد
میری رہائی کا حکم صادر کروا دیا۔

انسانوں کے ساتھ بندروں کی بڑھتی ہوئی دلچسپی نے حکومت اور پبلک کو چند
احتیاطی تدابیر اختیار کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ مثلاً حکومت نے اپنے خرچ پر لوگوں کے مکانات
سے شیشے کی کھڑکیوں اور روشندانوں کی حفاظت کے لیے لوہے کی جالیاں لگوا
دی ہیں۔ ہر مکان میں دروازے کے ساتھ ایسی چٹخنیاں لگوائی جا رہی ہیں جو خود بخود بند
ہو جاتی ہیں۔ اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ بندروں کو گھروں کے اندر گھسنے سے
روکا جا سکے گا لیکن چوہوں کا کوئی علاج نہیں۔ ہر گھر میں چوہوں کی ایک فوج رہتی ہے۔
اور یہ انسانوں کے ساتھ اس قدر بے تکلف ہو چکے ہیں کہ عام طور پر ان کے ساتھ ہی
کھانے پر بیٹھ جاتے ہیں انھیں ڈرایا جا سکتا ہے لیکن مارنے کی اجازت نہیں لیکن اب
یہ بھی کھوکھلی دھمکیوں کو بے پروائی سے دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں اس لیے لوگ
کھانا کھاتے وقت بلیوں کو اپنے پاس بٹھا لیتے ہیں۔ شہروں میں سانپ زیادہ نہیں لیکن

میں نے سنا ہے کہ دیہات میں بہت سے گھر ان کی بدولت اجڑ چکے ہیں۔ جانوروں
نے نقل و حمل کا مسئلہ بہت پیچیدہ بنا دیا تھا لیکن اب ریل گاڑیوں کو ایسا بنا دیا گیا ہے
کہ ان کے دروازے صرف انسان کھول سکتے ہیں اور روشندانوں میں سلاخیں لگا دی
گئی ہیں ورنہ پہلے یہ حالت تھی کہ لوگ اسٹیشن پر گاڑی کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ گاڑی آتی
ہے لیکن بعض ڈبوں میں انسانوں کی اس قدر بھیڑ ہے کہ کھڑا ہونے تک کو جگہ نہیں ملتی اور
بعض میں ایک آدمی بھی نہیں لیکن تمام ڈبہ بندروں سے بھرا ہوا ہے۔ بندروں کو ان کی
مرضی کے بغیر گاڑی سے نہیں اتارا جا سکتا تھا۔ اس لیے اسٹیشن کے منتظمین پلیٹ فارم
پر حلوے کے تھال بھر کر رکھ دیتے تھے اور جب وہ حلوہ کھانے کے لالچ میں باہر
نکل آتے تھے۔ لوگ سوار ہو کر کھڑکیاں اور دروازے بند کر دیتے تھے لیکن گاڑی کی
سیٹی سنتے ہی یہ جانور دروازوں کو دھکیلنے اور کھڑکیوں کو توڑنے کی ناکام کوشش کے بعد
گاڑی کی چھت پر سوار ہو جاتے۔ چونکہ تیز رفتار گاڑیوں سے بندر گر پڑتے تھے۔ اس لیے
حکومت نے پندرہ میل فی گھنٹہ سے زیادہ رفتار خلافِ قانون قرار دی ہے۔ یہی حال
لاریوں اور کاروں کا ہے۔ آپ کہیں جا رہے ہوں۔ آپ اپنی موٹر کی چھت پر دو چار
یا دس بندروں کو ضرور پائیں گے۔ اس ملک میں سائیکل چلانا قریباً ناممکن ہوتا جا رہا ہے
ایک آدمی سائیکل پر جا رہا ہے۔ ایک بندر کسی مکان کی چھت سے کود کر اس کے کندھوں
پر سوار ہو جاتا ہے دوسرا سائیکل کے ہینڈل پر بیٹھ جاتا ہے۔ تیسرا اس کے بازو سے
لٹکنے کی کوشش کرتا ہے ایسی حالت میں سائیکل سنبھالنا قریباً ناممکن ہو جاتا ہے کہ اگر
بندر کی دُم سائیکل کے پہیے میں پھنس کر کٹ گئی تو سائیکل بحق سرکار ضبط اور چلانے والا
جیل میں۔

عام کتوں کی طرح باولے کتوں کو مارنا بھی ایک گناہ عظیم سمجھا جاتا ہے اگر کسی
محلہ میں کوئی باولا کتا آجائے تو لوگوں کا یہ فرض ہے کہ اسے مارنے کی بجائے پولیس کو اطلاع

دیں۔ پولیس کسی سرکاری ڈاکٹر کو موقع پر پہنچنے کے لیے ٹیلیفون کرتی ہے اور وہ جب کتے کی حرکات وسکنات دیکھنے کے بعد یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ کتا واقعی باولا ہو چکا ہے تو پولیس کو اطلاع دیتا ہے۔ پولیس کے ایک شعبے کو باولے کتوں کو پکڑنے کی تربیت دی گئی ہے یہ لوگ ایسی زرہیں پہن کر جن پر کتوں کے دانت اثر نہیں کر سکتے۔ باولے کتے کا تعاقب کرتے ہیں اور جب وہ ان پر حملہ کرتا ہے یہ اس کو پکڑ کر ایک پنجرے میں بند کر دیتے ہیں۔ ایسے کتوں کو بذریعہ ریل گاڑی بمبئی پہنچا دیا جاتا ہے۔ وہاں سے میں نے سنا ہے کہ انھیں کشتیوں میں لاد کر سمندر کے ایک چھوٹے سے ٹاپو پر چھوڑ دیا جاتا ہے لیکن چونکہ ہر باولا کتا گرفتار ہونے سے پہلے اپنے پندرہ بیس ہم جنسوں اور دو چار انسانوں کو کاٹ لیتا ہے اور وہ بھی جلدی پاگل ہو جاتے ہیں۔ اس لیے پولیس کا یہ شعبہ بڑے شہروں کے فائر بریگیڈ کی طرح ہر وقت چوکس رہتا ہے۔ مکھیوں اور مچھروں کو مارنے کی اجازت نہیں۔ لیکن حکومت نے کمروں میں ایسی چیزیں سلگانے اور چھڑکنے کی اجازت دے رکھی ہے جن کی بُو سے مکھیاں اور مچھر نفرت کرتے ہیں۔ سب سے بڑی مصیبت جو میں محسوس کرتا ہوں یہ ہے کہ یہاں گرمیوں میں بھی کمروں میں دروازے بند کر کے سونا پڑتا ہے۔ اگر ہندواستھان کی ترقی کی یہی رفتار رہی تو یہ عجب نہیں کہ چند برس کے بعد اس ملک کی انسانی آبادی بلوں میں چھپ کر رہنے پر مجبور ہو جائے اور شہروں اور بستیوں کے مکانوں پر بلیاں چوہے بندر کتے۔ کوے۔ مرغیاں اور دوسرے جانور قبضہ جما لیں۔ مجھے اس ملک میں آئے ہوئے تین ماہ گزر چکے ہیں یہ محض اتفاق کی بات ہے کہ مجھے کسی باولے کتے یا زہریلے سانپ نے نہیں کاٹا۔ شہر میں سیر و تفریح کے لیے تشریف لانے والے ہاتھیوں، شیروں چیتوں اور دوسرے جنگلی درندوں کی تعداد میں آئے دن اضافہ ہو رہا ہے اور میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہندوستان کا دارالخلافہ افریقہ کے کسی جنگل کا حصہ ہے اور یہاں کے باشندے جانوروں کی برادری کا وہ کمزور ترین حصہ ہیں۔ جو چوہے سے لے کر ہاتھی تک

ہر چھوٹے بڑے جانوروں کی خوشامد پر مجبور ہے۔

تازہ واقعات سے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہندواستھان کی اصلاحات کے تھوڑے بہت امکانات پیدا ہو رہے ہیں۔ پرسوں کا واقعہ ہے کہ شہر میں بکریوں کا ایک ریوڑ جو کم از کم آدھ میل لمبا ہو گا۔ شہر کے بڑے بازار میں آ گھسا۔ پچاس ساٹھ چیتے ان کا پیچھا کر رہے تھے۔ بازار کی دوسری جانب سے دو تین ہزار گائیں جن کا پیچھا شیر کر رہے تھے۔ نمودار ہوئیں اور بکریوں کے ریوڑ کو بے تحاشا اپنے پاؤں تلے روندتی ہوئیں آگے نکل گئیں۔ شیروں نے گایوں کا خیال چھوڑ کر بکریوں پر حملہ کر دیا۔ اُدھر جب گائیں بازار کے دوسرے سرے پر پہنچیں تو چیتے اُن پر ٹوٹ پڑے۔ گائیں پھر واپس لوٹیں اور پھر بکریوں کی ایک بڑی تعداد اُن کے پاؤں تلے کچلی گئی۔ دوسری طرف انھیں شیروں کا مورچہ دکھائی دیا۔ چنانچہ انھوں نے ایک مورچے سے دوسرے مورچے کی طرف لوٹنے کا عمل کئی بار دہرایا اور گنتی کی چند بکریوں کے سوا جو بازار سے نکل کر اِدھر اُدھر کی تنگ گلیوں میں گھس گئیں باقی تمام اپنے پاؤں تلے روند ڈالیں۔ اس کے بعد شیر اور چیتے گایوں کو تنگ گھیرے میں لینے کے بعد دونوں طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے۔ چیتے تعداد میں کم تھے۔ اس لیے اکثر گائیں ان کا مورچہ توڑ کر باہر نکل گئیں۔ چیتے اور شیر بھی ان کے پیچھے بازار سے باہر نکل گئے۔ بازار میں پندرہ ہزار بکریوں کے علاوہ پانچ سو گایوں کی لاشیں بھی بے گور و کفن پڑی ہوئی تھیں۔ دو دن کتوں، گیدڑوں اور چیلوں کی سرگرمی کے باعث بازار بالکل بند رہا۔ تیسرے دن علی الصباح فوجی لاریوں پر جانوروں کے پنجر اٹھانے کا کام شروع ہوا اور شام کے چار بجے بازار بالکل صاف کر دیا گیا۔ رات کے وقت اسی بازار میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جس کا صدر پارلیمنٹ کا ایک نوجوان ممبر تھا۔ پارلیمنٹ نے پندرہ ہزار مقدس بکریوں اور پانچ سو پوتر گایوں کی ہلاکت پر رنج و افسوس کا اظہار کیا اور یہ قرارداد اتفاق آراء سے پاس ہوئی۔

"اس شہر کے باشندوں کا یہ شاندار جلسہ چیتوں اور شیروں کی اس کارروائی سے نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ جس کے باعث پندرہ ہزار تیتر بکریاں اور پانچ سو گائیں ہلاک ہوئیں اور حکومت سے یہ پُرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ فوراً کوئی انسدادی تدابیر اختیار کرے۔"

اس جلسہ کی تمام کارروائی بے حد مضحکہ خیز تھی لیکن صاحبِ صدر کی تقریر نے جلسے کا رنگ بدل دیا۔ اگرچہ حکومت نے اس کی تقریر کو باغیانہ قرار دے کر اسے اگلے دن گرفتار کر لیا تھا تاہم میں سمجھتا ہوں کہ اس کی آواز ہندوستان کے مستقبل پر یقیناً اثر انداز ہو گی۔ افسوس کہ میں اس کی پوری تقریر نقل نہ کر سکا۔ تاہم جو کچھ مجھے یاد ہے وہ یہ ہے:

"بھائیو! میں نے تمہاری تقریریں سنیں۔ تمہارے ریزولیوشن پر بھی غور کیا لیکن مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ان باتوں میں تمہاری تکالیف کا علاج نہیں۔ تمہاری قراردادیں چیتوں اور شیروں کی فطرت نہیں بدل سکتیں اور حکومت جب تک جیو ہتیا کے متعلق اپنے قوانین نہیں بدلتی۔ وہ بھی تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔ ہماری تاریخ میں بدترین دن وہ تھا۔ جب ہم نے جانوروں کو اپنے لیے دیوتا بنا لیا تھا۔ یہ قوانین فطرت کے ساتھ ایک مذاق تھا اور فطرت ہمیں اس مذاق کی سزا دے رہی ہے اس سے بڑی سزا کیا ہو سکتی ہے کہ اس ملک کا انسان چوہوں اور بلیوں سے زیادہ مظلوم ہے۔ حکومت کو کتوں۔ سانپوں اور جنگلی جانوروں کی حفاظت کا خیال اور ان کی آبادی بڑھانے کی فکر ہے لیکن ان جانوروں کی وجہ سے انسانوں کی گھٹتی ہوئی آبادی کو قطعاً کوئی فکر نہیں۔ اگر ایک انسان کا سانپ یا جنگلی جانور کو مارنا پاپ ہے تو کیا ایک سانپ جس کا زہر ایک انسان کو ہلاک کرتا ہے اور وہ درندہ جس کے دانت انسان

کی بوٹیاں نوچ لیتے ہیں۔ پاپ نہیں کرتے، پھر کیا وجہ ہے کہ پاپ کی سزا صرف آدمی کو ملے۔

اپنے ہمسایہ ملک کی طرف دیکھو۔ ان کی آبادی میں چالیس فیصدی اضافہ ہو چکا ہے اور ہماری آبادی میں چوہوں۔ مکھیوں اور مچھروں کے باعث پھیلنے والی بیماریاں، سانپوں اور درندوں کے حملوں کے باعث پچاس فیصدی کمی آ چکی ہے۔ اس سے میرا اندازہ ہے کہ آئندہ پچاس برس میں جب پاکستان کی آبادی دوگنا ہو جائے گی۔ ہمارے ملک میں صرف جانور اور پرندے دکھائی دیں گے اور بھگوان کی اس زمین کو پاکستان کے گوشت خور باشندے اپنے لیے ایک شاندار شکارگاہ سمجھیں گے"

(بعض لوگ اس بات پر برہم ہو کر شور مچانے لگے۔ لیکن مقرر نے گرج کر کہا۔)

"کیا یہ درست نہیں تمہارے کاشتکاروں کی بے شمار بستیاں اجڑ چکی ہیں۔ ان کی زراعت تباہ ہو چکی ہے وہ کھیتوں میں بیج ڈالتے ہیں تو مرغیاں، کوے اور دوسرے پرندے نکال کر کھا جاتے ہیں اگر کوئی دانہ اُگتا ہے تو اسے مویشی نہیں چھوڑتے۔ تم دنیا بھر میں زرخیز ترین زمین کے مالک ہو کر آئے دن اناج میں کمی محسوس کرتے ہو۔ اب تک اس ملک میں گھاس اور چارہ کافی ہے اور تمہیں اپنی ضرورت سے زیادہ دودھ اور مکھن ملتا ہے۔ لیکن کیا تم اس وقت کا انتظار کر رہے ہو۔ جب ان جانوروں کی بڑھتی ہوئی آبادی اس زمین سے گھاس کا آخری تنکا تک نوچ کھائے اور وہ چارہ نہ ہونے کے باعث اور تم ان کا دودھ نہ پانے کے باعث بھوکے مرنے لگ جاؤ؟"

ایک آواز۔ "تو ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟"

مقرّر نے کہا "میں بتاتا ہوں۔ سُنو!
تمہارے سامنے اس وقت دو مسئلے ہیں۔ پہلا یہ کہ اگر تم اسی طرح جانوروں کی تقدیس کے قائل رہے تو تمہاری آبادی ختم ہو جائے گی اور اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو تمہارے لیے یہ ضروری ہے کہ تم جانوروں کی آبادی کم کرنے کی کوشش کرو۔ ورنہ یہ ملک چھوڑ کر کسی ایسے ملک میں چلے جاؤ۔ جس کی حکومت تمہیں سانپوں، باولے کتوں جنگلی درندوں اور وبا کے کیڑوں سے نجات دے سکے۔ مجھے پاکستان میں ان لوگوں پر رشک آتا ہے جو جانوروں کا گوشت کھانے کے باوجود امن اور چین کی زندگی بسر کرتے ہیں ہم جانوروں کی پوجا کرتے ہیں اور اس زمین پر ہمارے لیے سانس تک لینا دشوار ہو رہا ہے۔"

یہ تقریر ہر اس شخص کے دل کی دبی ہوئی آواز تھی جو اس جلسہ میں موجود تھا لیکن جلسے کے اختتام پر میں نے لوگوں کی باتیں سنیں۔ ان سے میرا اندازہ یہ تھا کہ بعض صرف ایک دوسرے پر محض اپنے دھرم کا رعب بٹھانے کے لیے مقرر کے جذبات کی مذمت کر رہے ہیں۔ ورنہ اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو کہہ رہے تھے کہ حکومت کو ضرور کچھ کرنا چاہیئے۔ اگلے دن تمام اخبارات میں اس کی تقریر جلی حروف سے شائع ہوئی بعض اخبارات نے اس تقریر پر اڈیٹوریل لکھے جو پچاس فیصدی حمایت میں تھے اور پچاس فیصدی اس کی مخالفت میں۔ لیکن مقرّر کے متعلق سب کا فتویٰ یہ تھا کہ یہ شخص باغی ہے۔ اگلے دن اس شخص کو گرفتار کر لیا گیا لیکن مجھے یہ یقین ہے کہ اس کی تقریر بے اثر ثابت نہیں ہوئی۔ آج صبح ریڈیو پر ہوم منسٹر نے یہ اعلان کیا ہے کہ حکومت پرسوں کے واقعات سے بہت متاثر ہوئی ہے۔ وزارت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ ایسے خطرات کے امکانات روکنے کے لیے موثر تدابیر عمل میں لائی جائیں۔ ایک ہفتہ کے اندر اندر پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کا مشترکہ اجلاس بلایا جائے گا اور اس میں چند تجاویز پر بحث ہو گی اگر یہ تجاویز پاس ہو گئیں تو مجھے امید ہے کہ شہروں اور بستیوں پر جنگلی جانوروں کے

حملوں کے امکانات ختم ہو جائیں گے۔ میں ابھی ان زیرِ غور تجاویز کا اعلان نہیں کر سکتا۔ تاہم آپ لوگوں کو اتنا یقین دلا سکتا ہوں۔ یہ تجاویز جیو ہتیا کے متعلق حکومت کے قانون پر اثر انداز نہ ہوں گی۔ درندوں کے خلاف ہماری کوئی کارروائی ایسی نہ ہو گی۔ جسے جارحانہ کہا جا سکے۔ ہمارا ہر اقدام مدافعانہ ہو گا جس میں اہنسا پرمو دھرما کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے گا۔"

ہندواستھان کی دفاعی تدابیر یقیناً دلچسپ ہوں گی لیکن پاکستان کے اخبارات میری رپورٹ کا نہایت بے تابی سے انتظار کر رہے ہیں اور میں ایسے قیمتی مسودہ کو بذریعہ ڈاک بھیجنے کی بجائے اپنے ساتھ لانا چاہتا ہوں اور اس کی اشاعت کے بعد مجھے شاید ہندواستھان کی حدود میں داخل ہونے کی اجازت نہ ملے۔

میں نے کل بذریعہ ہوائی جہاز لاہور پہنچنے کی تیاری کر لی ہے۔ میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ پیٹ بھر کر بھنا ہوا گوشت کھاؤں۔ چنانچہ میں نے اپنے گھر میں تار بھیج دیا ہے کہ میرے من پسند کھانے کی کم از کم تین پلیٹیں تیار ہوں وضاحت اس لیے نہیں کر سکا کہ تار سنسر ہو جانے کا ڈر تھا۔ پاکستان میں گوشت بہت مہنگا ہے۔ جب میں لاکھوں کی تعداد میں مرغیاں۔ تیتر۔ بٹیر دیکھتا ہوں تو میرا جی کڑھتا ہے اگر ہندواستھان کے باشندے پاکستان کی تمام آبادی کی دعوت کرنا چاہیں تو مجھے یقین ہے کہ وہ کم از کم بیس برس تک ہر شخص کو دونوں وقت گوشت مہیا کر سکتے ہیں۔"

پاکستان کے مختلف اخبارات میں اس رپورٹ کی اشاعت کے بعد میاں عبدالشکور کو دوبارہ ہندواستھان میں داخل ہونے کی اجازت نہ ملی۔ لیکن اس رپورٹ نے ہندواستھان کو مختلف ممالک کے سیاحوں اور اخبار نویسوں کی توجہ کا مرکز بنا دیا۔

ایک چوہے کی سرگزشت

رُوس کے سائنسدانوں کا ایک مشن پاکستان کا دورہ کرنے کے بعد پہنچا ہندوستان کی سیاحت کے بعد اس وفد کے لیڈر نے واپس پہنچ کر ریڈیو پر حسب ذیل تقریر کی:

"ہمارا خیال تھا کہ پاکستان کے اخبارات ہندوستان کے متعلق غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں لیکن ہندوستان کے موجودہ حالات کا سرسری جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس ملک کی حکومت نے اگر جانوروں کے متعلق اپنے قوانین میں تبدیلی نہ کی تو پچاس برس کے بعد یہاں انسان کی زندگی ناممکن ہو جائے گی یہاں آئے دن نہ صرف سانپوں اور جنگلی درندوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے بلکہ چوہے مکھیاں اور مچھر اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ ہر سال کروڑوں انسان ان کی بدولت پھیلنے والی وباؤں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ہم نے سب سے زیادہ دلچسپ جانور جو دیکھا ہے وہ یہاں کا بندر ہے۔ بندروں کی ذہنی ترقی دیکھ کر میرے بہت سے ساتھی ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے قائل ہو گئے ہیں۔ ہمارے خیال میں اس ملک کا بندر اپنے ارتقا کی منزل پر پہنچ چکا ہے جہاں پر آج سے پچاس ہزار برس پہلے انسان تھا لیکن گزشتہ ستر اسّی برس میں جو ترقی اس جانور نے کی ہے اس سے بعض ڈاکٹروں کا اندازہ ہے کہ وہ بہت جلد انسان کا درجہ حاصل کر لے گا۔ ہم جب واردھا کے اسٹیشن پر پہنچے تو حکومت کے

چند عہدہ دار ہمارے استقبال کے لیے کھڑے تھے ایک شخص نے آگے بڑھ کر میرے ساتھ مصافحہ کیا دوسرے اس کی تقلید کرنا چاہتے تھے لیکن بندروں کی ایک ٹولی نے انھیں دھکیل کر پیچھے ہٹا دیا۔ اور سب ہم سے ایک ایک کے ساتھ مصافحہ کرنے لگے یہ تعداد میں کوئی دو سو تھے اور ابھی ہم سب کے ساتھ مصافحہ کر کے فارغ نہ ہوئے تھے کہ بندروں کی ایک بیشمار فوج نے ہمیں گھیر لیا۔ ہم اور ہمارے میزبان ان سے ہماری جان چھڑوانا چاہتے تھے لیکن وہ سب مصافحہ کرنے پر مصر تھے۔ پولیس نے رشوت کے طور پر ان کے سامنے کھانے کی چیزیں رکھیں لیکن ہمارے ساتھ ان کی دلچسپی کسی طرح کم نہ ہوئی۔ چنانچہ ان کے ساتھ مصافحہ کرتے کرتے ہمارے ہاتھ شل ہو گئے انھوں نے ہماری ٹوپیاں اور عینکیں اس صفائی سے اتاریں کہ ہمیں پتہ تک نہ چلا۔ ہمارے ایک ساتھی کو غصہ آیا اور اس نے جیب سے پستول نکال کر ہوائی فائر کر دیا۔ ہماری توقع کے خلاف یہ تمام بندر آن کی آن میں غائب ہو گئے۔ پولیس نے ہمارے ساتھی کی اس حرکت کو خلاف قانون قرار دیا اور ہم سب کے پستول چھین لیے۔ بعد میں وزیر خارجہ کی مداخلت سے ہمارے پستول واپس کیے گئے اور اس نے ہمیں بتایا کہ آپ کو مہمان سمجھ کر آپ کے ساتھ بہت نرم سلوک کیا گیا ہے۔ ورنہ یہاں جانوروں کو اور بالخصوص بندروں کو ڈرانے کی سزا بہت سخت ہے۔ اس سے ہمارا اندازہ ہے کہ ہندوستان کے باشندوں کا ذہنی انحطاط شروع ہو چکا ہے اور عجب نہیں کہ وہ ارتقائی مدارج سے الٹے پاؤں لوٹ کر بندروں کے درجے تک پہنچ جائیں اور اس وقت تک بندروں میں انسانوں کی صفات پیدا ہو جائیں۔ ہمیں فنون لطیفہ سے . . . تو بندروں کی دلچسپی دیکھ کر اور بھی حیرت ہوئی۔ سینما گھروں کے دروازے ایسے ہیں کہ بندر داخل نہیں ہو سکتے۔ جب تک کھیل ختم نہیں ہوتا وہ باہر کھڑے رہتے ہیں اور جب اندر کوئی ساز بجتا ہے وہ بے اختیار ناچنے لگ جاتے ہیں۔ ناچ میں وہ سُر اور تال کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ ہندوستان کے

کتوں اور گدھوں کو بھی موسیقی کے ساتھ بہت لگاؤ ہے اور وہ بھی شام کے وقت سینما گھروں کے گرد جمع ہوجاتے ہیں۔ جب سینما کے اندر کوئی راگ شروع ہوتا ہے۔ گدھے کان کھڑے کر لیتے ہیں اور بے اختیار وہ راگ جسے ان کا قومی ترانہ کہا جا سکتا ہے شروع کر دیتے ہیں جب وہ اپنی فطری مجبوری کے باعث اپنی لمبی اور دلکش تانوں کو "ڈھیچوں ڈھیچوں" میں تبدیل کرتے ہیں تو ان کی آنکھوں سے اس ذہنی کشمکش کا پتہ چلتا ہے جو حیوانیت سے انسانیت یا وحشت سے تہذیب کی طرف پہلا قدم اٹھانے کے بعد شروع ہوتی ہے لیکن کتے اس خوبی کے ساتھ سُر سے سُر ملاتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے ہمارا خیال ہے کہ جہاں تک موسیقی کو سمجھنے کا تعلق ہے۔ اس ملک کے کتے ارتقاء کی بہت سی منازل طے کر چکے ہیں۔ گدھے اُن سے ایک منزل پیچھے ہیں۔ بندر موسیقی سمجھتا ہے سُر اور تال پہچانتا ہے اور بالکل انسان کی طرح ناچ سکتا ہے لیکن وہ گا نہیں سکتا۔

ہم نے ان جانوروں کے دماغوں کے اپریشن کی نیت سے ایک گدھا۔ ایک بندر اور ایک کتا اپنے ساتھ لانا چاہا لیکن ہندواستھان کی حکومت نے ہمیں اجازت نہ دی۔ ہم نے سائنس کی ترقی کے نام پر اپیل کی تو بھی ہمیں نہایت مایوس کن جواب دیا گیا۔ تاہم ہم لوگ ہندوستان سے خالی ہاتھ نہیں لوٹے۔ ہم اپنے ساتھ ایک ایسا جانور لائے ہیں جو دنیا بھر کے سائنس دانوں کو حیران کر دے گا۔ یہ جانور ایک چوہا ہے ایک عام گھریلو چوہا۔ جو انسانوں سے بہت زیادہ میل جول رکھنے کے باعث ارتقاء کی بہت سی منازل طے کر چکا ہے۔ اس چوہے کی خوبیاں میں بعد میں بیان کروں گا لیکن اس سے پہلے آپ لوگوں کے لیے یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ہم اس قدر قیمتی جانور کو ہندواستھان سے اغوا کرنے میں کیسے کامیاب ہوئے۔

واردھا سے واپسی کے دن یہ چوہا میرے ادویات کے تھیلے میں گھس گیا اور میں نے یہ تھیلا بند کر لیا لیکن تھیلے کے اندر اس کی بھاگ دوڑ سے مجھے خدشہ پیدا ہوا کہ

اس کی آہٹ سے کسی کو شک پیدا نہ ہوجائے چنانچہ میں نے اسے خواب آور گولیاں کھلا دیں اور وہ بیہوشی کی حالت میں تھیلے میں پڑا رہا۔ سرحد عبور کرتے وقت محکمہ کسٹم نے ہماری تلاشی لی۔ سرحد پر مسافروں کی تلاشی قاچاقی وغیرہ کے خدشہ کے ماتحت نہیں لی جاتی بلکہ اس بات کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ کوئی مسافر اپنے ساتھ اس ملک کی جوئیں وغیرہ بھی نہ لے جائے ہمیں پرانے کپڑوں کے عوض نئے کپڑے دیئے گئے اور ہمارے سر کے بال ایسی مشینوں سے صاف کیے گئے جو بجلی کی قوت سے جوئیں نکال لیتی ہیں ہمیں ہندواستھان میں قیام کے دوران میں صفائی کے لیے صابن اور کنگھی استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی کہ اس سے جوئیں ہلاک ہوجاتی ہیں۔ اس لیے واپسی پر ہمارے سروں سے کافی جوئیں برآمد ہوئیں وہ بحق سرکار ضبط کر لی گئیں تاہم کسی نے ہمارا تھیلہ نہ کھولا اور یہ چوہا زندہ سلامت ماسکو پہنچ گیا۔

اب میں اس کی چند خوبیاں بیان کرتا ہوں۔ یہ ہمارے ملک کے چوہوں سے بہت بڑا ہے اور انسان سے بالکل نہیں ڈرتا۔ ہم ہندواستھانی موسیقی کے چند ریکارڈ اپنے ساتھ لائے ہیں اور جب گراموفون پر یہ ریکارڈ بجائے جاتے ہیں تو یہ دم اوپر اٹھا لیتا ہے اور پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہو کر ناچتا ہے لیکن اس کے سامنے جب کوئی روسی نغمہ گایا جاتا ہے تو یہ ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ مکھن دودھ اور تازہ پھلوں کے سوا کچھ نہیں کھاتا کئی کئی گھنٹے آئینے کے سامنے بیٹھ کر اپنی صورت دیکھتا رہتا تھا۔ لیکن کل میں نے اس کی ایک مونچھ کتر دی تھی اور اب اگر اس کے سامنے آئینہ رکھا جائے تو یہ آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ یہ ہمارے ملک کے چوہوں سے بہت نفرت کرتا ہے اور ان کے ساتھ ایک چوہا چھوڑ گیا اور اس نے بے تحاشا ٹھنڈے پانی کے برتن میں چھلانگ لگا دی اور اچھی طرح نہا دھو کر باہر نکلا۔ ہم نے پھر اس کا جسم ایک چوہے کے ساتھ مس کر دیا اور یہ پھر نہانے لگ گیا۔

روس کے تمام بڑے بڑے سائنسدان اس چوہے کا معائنہ کرچکے ہیں ان سب کی رائے ہے کہ چوہوں کی وہ برادری جس کا یہ رکن ہے۔ ارتقاء کی دوڑ میں دنیا کے باقی چوہوں سے بہت آگے جا چکی ہے۔ ہمارا ارادہ تھا کہ تین چار دن تک اس چوہے کے دماغ کا اپریشن کیا جائے۔ یورپ اور ایشیا کے بہت سے سائنسدان ماسکو میں جمع ہوچکے ہیں لیکن امریکہ کے دس نامور سائنسدانوں کی طرف سے ہمیں تار ملے ہیں کہ ان کی آمد تک یہ کارروائی ملتوی کی جائے اس دلچسپ کارروائی میں مختلف ممالک سے قریباً ایک سو اسی (۱۸۰) ایسے سائنسدان حصہ لیں گے جو بین الاقوامی شہرت حاصل کرچکے ہیں۔ ہم نے ہندواستھان کے ڈاکٹروں کو بھی دعوت دی ہے لیکن ابھی تک اُن کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ باہر کے ممالک اس چوہے کے ساتھ جو دلچسپی لے رہے ہیں اس کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ اب تک ساٹھ اخبار نویس ماسکو پہنچ چکے ہیں اور مزید کی آمد کی توقع ہے آج اس چوہے کی اچانک علالت نے ہمیں پریشان کردیا تھا۔ ڈاکٹروں نے گہری سوچ بچار کے بعد میری اس رائے کے ساتھ اتفاق کیا کہ اسے ٹھنڈے پانی میں نہانے سے زکام ہوگیا ہے۔ چنانچہ اسے دوائی دی گئی اور اب اس کی طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔

ماسکو ریڈیو کی یہ تقریر سن کر ہندواستھان کی حکومت اور عوام سخت مضطرب ہوئے بڑے بڑے لیڈروں کا یہ متفقہ فیصلہ تھا کہ اس چوہے میں کسی مہاپُرش کی آتما تھی اور اس کا بلی دان ہندواستھان کے باشندوں کے لیے یقیناً ناقابل برداشت ہوگا۔ اخبارات نے کسٹم کے ان افسروں کو بہت بُری طرح کوسا جن کی کوتاہی کے باعث ماسکو کے سائنسدان اس قیمتی چوہے کو اغوا کرنے میں کامیاب ہوئے اور حکومت سے فوری مداخلت کا مطالبہ کیا۔

حکومت نے محکمہ کسٹم کے پندرہ افسروں کو فوراً معطل کردیا اور وزیر خارجہ کو حکم دیا کہ

وہ چوہے کی جان بچانے کے لیے چارہ جوئی کرے۔ وزیر خارجہ یہ مہم ماسکو کے ہندواستھانی سفیر کو سونپنے کی بجائے خود بذریعہ ہوائی جہاز ماسکو پہنچا لیکن ماسکو کی حکومت نے جواب دیا کہ وہ چوہا اب سائنس دانوں کی بین الاقوامی مجلس کی ملکیت ہوچکا ہے۔ اس لیے حکومت مداخلت کرنے سے معذور ہے۔ ہندواستھان کا وزیر خارجہ یکے بعد دیگرے سائنسدانوں کی مجلس کے تمام عہدیداروں سے ملا لیکن انھوں نے اس کی درخواست کو ہنسی مذاق میں اڑا دیا۔

ہندواستھان کا وزیر خارجہ مایوس ہوکر واپس لوٹ آیا۔ اس کی آمد پر پارلیمنٹ کا ہنگامی اجلاس بلایا گیا اور تین دن کی گرما گرم بحث کے بعد پارلیمنٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ روس کی حکومت کو ایک یادداشت روانہ کی جائے کہ اگر وہ چوہا واپس بھیجدیں تو بہتر ورنہ ہندواستھان کی حکومت روس کی حکومت سے سیاسی تعلقات منقطع کرلینے پر مجبور ہو گی۔ اس فیصلے کی نقول تمام ان حکومتوں کو روانہ کی جائیں۔ جن ممالک کے سائنسدان اس بے زبان چوہے کی جیو ہتیا میں حصہ لے رہے ہیں۔

قریباً ایک ہفتے بعد حکومت روس کا ایک خاص ایلچی ایک بہت بڑے ہوائی جہاز پر واردھا پہنچا۔ اور اس نے راشٹرپتی کے دفتر میں حاضر خدمت ہوکر حکومتِ روس کی طرف سے اس یادداشت کا جواب پیش کیا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا:

"ہماری حکومت اس یادداشت کے متعلق بہت پریشان ہے جو آپ کی حکومت نے اس چوہے کے متعلق روانہ کی جو کہ اب دنیا بھر کے سائنسدانوں کی ملکیت ہوچکا ہے۔ آج اس چوہے کا اپریشن ہوگا اور اس کارروائی میں حصہ لینے کے لیے مختلف ممالک سے دو سو پچاس سائنسدان جن میں سے ایک سو اسی بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ ماسکو میں جمع ہوچکے ہیں۔ ہماری حکومت تمام ممالک سے دوستانہ تعلقات برقرار رکھنے کی خواہش مند ہے۔ اور اگر آپ کی حکومت ہمیں بروقت اپنے ملک

کے باشندوں کے جذبات سے آگاہ کرتی تو ہم یقیناً اُن کے جذبات کا احترام کرتے۔ لیکن اب اس چوہے کے آپریشن کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں اور اگر یہ سائنسدان جن کی تشریف آوری ہمارے لیے باعثِ فخر ہے مایوس ہو کر واپس لوٹے تو ہماری بین الاقوامی شہرت پر بہت بُرا اثر پڑے گا اور یہ پوزیشن ہمارے لیے ناقابلِ قبول ہے کہ ہم آپ کی حکومت کے دباؤ سے سائنس کی سرپرستی سے دست کش ہو جائیں۔ اس بات کا ثبوت دینے کے لیے کہ حکومت روس آپ کی حکومت سے خواہ مخواہ بگاڑ پیدا نہیں کرنا چاہتی۔ ہم اپنے ایلچی کے ہمراہ آپ کے ایک چوہے کے عوض ایک ہزار چوہے بھیج رہے ہیں آپ کو یہ بتانا غیر ضروری نہ ہوگا کہ حکومت روس کو یہ چوہے فراہم کرنے کے لیے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ہمارے ملک میں ڈاکٹروں کی سرگرمیوں کی بدولت چوہے قریباً ناپید ہو چکے ہیں۔ تاہم ہماری فوج اور پولیس قریباً دس ہزار دیہات کی تلاشی لینے کے بعد چوہوں کی یہ قلیل تعداد فراہم کرنے میں کامیاب ہوئی ہے۔ اور ہم آپ کی حکومت کے متعلق اپنی نیک خواہشات کے ثبوت میں انھیں بذریعہ ہوائی جہاز آپ کی خدمت میں بھیج رہے ہیں۔ براہ کرم انھیں قبول فرمائیے۔"

یہ خط پڑھنے کے بعد راشٹرپتی اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر کچھ دیر گہری سوچ میں پڑا رہا بالآخر وہ ماسکو کے ایلچی کی طرف متوجہ ہوا۔

"وہ ایک ہزار چوہے کہاں ہیں؟"

ایلچی نے جواب دیا "وہ میرے ہوائی جہاز پر ایک پنجرے میں ہیں۔"

راشٹرپتی نے گھنٹی بجائی۔ اس کا سیکرٹری کمرے میں داخل ہوا۔ راشٹرپتی اپنے سیکرٹری سے چند باتیں کرنے کے بعد پھر ایلچی کی طرف متوجہ ہوا۔ "کل آپ کو اس خط کا جواب مل جائے گا۔"

— ۳ —

رات کے وقت راشٹرپتی کی صدارت میں ایگزیکٹو کونسل کی میٹنگ ہوئی راشٹرپتی نے کونسلروں کو حکومت روس کے جواب سے مطلع کیا لیکن بعض ارکان کے لیے یہ جواب تسلی بخش نہ تھا وہ اس رائے کے حامی تھے کہ روس کے چوہوں میں روسیوں کی آتما ہے۔ اس لیے یہ چوہے واپس بھیج دیئے جائیں وہ ابھی کسی فیصلہ پر نہ پہنچے تھے کہ راشٹرپتی کے سیکرٹری نے حاضر ہو کر اطلاع دی کہ ماسکو کے ریڈیو اسٹیشن سے چوہے کے دماغ کے کامیاب آپریشن کا اعلان ہو چکا ہے اس خبر نے چند لمحوں کے لیے مجلس پر ایک سکوت طاری کر دیا۔ بالآخر وزیر خارجہ نے اٹھ کر تقریر کی۔ ہم سب کے لیے یہ خبر تکلیف دہ ہے لیکن اب مستقبل کے متعلق سوچنا چاہیئے۔ موجودہ صورت میں جب کہ ہمارا ہمسایہ ملک پاکستان ہمارے سینے پر پستول تانے ہوئے ہے۔ ہمارے لیے روس سے بگاڑنا خطرناک ہے۔ روس پاکستان کے لیے ایک طاقت ور حلیف ثابت ہو سکتا ہے اس لیے روس کو ناراض کرنا ایک پرلے درجے کی بیوقوفی ہوگی اس کے علاوہ ہمیں یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ روس ہمارے جذبات کا کس قدر احترام کرتا ہے۔ انھوں نے ایک چوہے کے عوض ایک ہزار چوہے بھیج دیئے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ اگر انھیں اپنی بین الاقوامی شہرت کو زک پہنچنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو وہ ہمارے ملک کا چوہا بھی ہمارے حوالے کر دیتے۔

وزیر جنگ نے اس تقریر کا جواب دیتے ہوئے کہا "اب جو ہونا تھا سو ہو چکا اب نہ ہم اور نہ روسی اس چوہے کو زندہ کر سکتے ہیں۔ ہمارے سامنے سب سے زیادہ نازک مسئلہ یہ ہے کہ ملک کی رائے عامہ کی تسلی کس طرح کی جائے۔ لوگ بہت مشتعل ہیں۔ پارلیمنٹ میں ہماری مخالف پارٹی یقیناً اس اشتعال سے فائدہ اٹھائے گی اور نئی وزارت بنانے کی کوشش کرے گی۔ میرے خیال میں محکمہ نشر و اشاعت کی طرف سے یہ اعلان ہو جانا چاہیئے کہ روس نے ہار مان لی ہے اور ایک چوہے کے عوض

ہیں ایک ہزار چوہے بھیج دیئے ہیں اور ہم اپنے ایک چوہے کے دماغ کے اپریشن کے بدلے روس کے ایک ہزار چوہوں کے دماغوں کا اپریشن کر ڈالیں گے۔

انھوں نے ہمارے کسی ایک انسان کی آتما کا پنجرہ توڑا ہے۔ ہم ان کے ایک ہزار انسانوں کی آتما کے پنجرے توڑیں گے۔"

وزیر خارجہ نے کہا۔ "لیکن روس جیسی طاقت ور سلطنت اپنے متعلق یہ پروپیگنڈا کیسے برداشت کرے گی کہ اس نے ہار مان لی ہے؟"

وزیر جنگ نے جواب دیا۔ "حکومت روس کو در پردہ یہ اطلاع بھجوائی جا سکتی ہے کہ ہماری یہ کارروائی محض عوام کو مطمئن کرنے کے لیے ہے۔"

وزیر خارجہ مطمئن ہو کر بیٹھ گیا تو بڑے پروہت نے اٹھ کر اعتراض کیا کہ جیو ہتیا ایک پاپ ہے، اور اس کی اجازت کسی صورت میں نہیں دی جا سکتی۔ میں اس بات کی سخت مخالفت کروں گا۔ آپ عوام کو مطمئن کرنے کی کوئی اور صورت نکالیے۔

راشٹرپتی نے جواب دیا۔ "میرے خیال میں عوام کو مطمئن کرنے کا کوئی طریقہ نہیں اب اگر آپ نے اس بات کی مخالفت کی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم سب کو اپنے عہدوں سے مستعفی ہونا پڑے گا اور مخالف پارٹی وزارت بنانے میں کامیاب ہو جائے گی اور یہ بھی یقینی ہے کہ نئی وزارت میں بڑا پروہت بھی نیا ہوگا۔"

بڑے پروہت نے قدرے پریشان ہو کر جواب دیا۔ "مجھے سوچنے کا موقع دیجئے، میں کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکال لوں گا۔"

وزیر خارجہ نے کہا۔ "آپ ذرا باہر جھانک کر دیکھئے۔ دفتر کے گرد تقریباً دو لاکھ انسان گھیرا ڈالے کھڑے ہیں اور نہایت بے چینی سے ہمارے فیصلے کا انتظار کر رہے ہیں۔

کمرے میں سکوت طاری ہو گیا اور باہر سے لوگوں کا شور و غوغا سنائی دینے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ سکوت ٹیلیفون کی گھنٹی نے توڑا۔ راشٹرپتی نے ریسیور کان کے ساتھ لگاتے ہوئے

کہا۔ "سنیئے چیف میڈیکل آفیسر۔ روس کے چوہوں کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہے۔" حاضرین راشٹرپتی کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے ٹیلیفون پر کسی بات کے جواب میں کہا "تو میں کیا کروں، تمام چوہے بچے دیتے ہیں جہاں جی چاہے رکھو" یہ کہتے ہوئے اس نے جھنجھلا کر ٹیلیفون رکھ دیا اور حاضرین کی طرف دیکھنے لگا۔

بڑے پروہت نے پوچھا "کیا کہہ رہا تھا وہ؟"

راشٹرپتی نے جواب دیا۔ "ڈاکٹروں کے دماغ میں ایک پرزہ الٹ ہوتا ہے وہ یہ کہہ رہا تھا کہ چوہوں کی تعداد ایک ہزار بارہ ہو چکی ہے چند چوہوں نے بچے دیئے ہیں بڑے چوہے انھیں تنگ کرتے ہیں انھیں کہاں رکھا جائے۔"

بڑے پروہت نے خوشی سے اچھلتے ہوئے کہا: "بھگوان کی دیا سے یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ اب ہم کہہ سکیں گے کہ ہمارے چوہے کی آتما نے روسی چوہیا کے گھر جنم لے لیا ہے۔ میں ابھی باہر نکل کر لوگوں کو خوشخبری دیتا ہوں لیکن یہ بہتر ہوگا کہ چیف میڈیکل آفیسر ایک چوہیا اور اس کے بچے کو پنجرے میں ڈال کر یہاں بھیج دیں تاکہ میں لوگوں کو دکھا سکوں۔"

راشٹرپتی نے ٹیلیفون اٹھاتے ہوئے کہا "لیکن آپ کو یقین ہے کہ آپ لوگوں کو مطمئن کر سکیں گے؟" بڑے پروہت نے جواب دیا "مجھے سو فیصدی یقین ہے۔"

اگلے دن وار دھا کے تمام اخبارات میں "ہندوستھان کی شاندار فتح" کے عنوان سے خبریں اور مضامین اور ایک چوہیا اور اس کے نوزائیدہ بچے کی تصویریں شائع ہوئیں۔ اخبارات میں بڑے پروہت کا وہ اعلان بھی درج تھا جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ لوگوں نے چوہیا اور اس کے نوزائیدہ بچے کو جس میں ہندوستھانی چوہے کی آتما تھی دیکھ کر خوشی کے نعرے لگائے۔ مردوں اور عورتوں نے اس کے پنجرے کے سامنے روپوں اور زیورات کا ڈھیر لگا دیا۔ یہ تمام رقم سات لاکھ، بیس ہزار، سات

سو پچاس روپے سات آنے چھ پائی بنتی ہے اور حکومت یہ خوشی کے ساتھ اعلان
کرتی ہے کہ اس میں سے آدھی رقم ملک کے چوہوں کو لذیذ غذائیں مہیا کرنے پر
صرف کی جائے گی اور باقی روپے سے واردھا میں ایک ایسا مکان تعمیر کیا جائے
گا جس میں کم از کم دس لاکھ چوہے رہ سکیں ۔

اِنسدادی تدابیر

چوہے کے متعلق اطمینان کا سانس لینے کے چند سال بعد حکومت کو جنگلی جانوروں
کے متعلق عوام کی بڑھتی ہوئی بے چینی کی طرف توجہ مبذول کرنی پڑی۔ دیہات کے
مصیبت زدہ پارلیمنٹ میں اپنے نمائندوں کی وساطت سے حکومت کے کانوں تک
اپنی شکایات پہنچا رہے تھے۔ شہروں میں جلسے ہو رہے تھے۔ اخباروں میں سخت مقالات
لکھے جا رہے تھے "حکومت انسدادی تدابیر کا اعلان کیوں نہیں کرتی۔ حکومت کیا سوچ
رہی ہے۔ دیہات اجڑ رہے ہیں۔ شہر اجڑ رہے ہیں۔ آج سانپوں نے اتنے ہزار آدمیوں
کو کاٹ کھایا۔ درندوں نے اتنے ہزار آدمی ہلاک کر ڈالے۔ ہاتھیوں، گایوں اور گھوڑوں
نے اتنے آدمی پاؤں تلے روند ڈالے۔ پاگل کتوں کے کاٹے ہوئے اتنے آدمی چل بسے
بندر انسانوں کے اتنے بچے اٹھا کر لے گئے۔ چوہوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے باعث
آج فلاں فلاں شہر میں وبا پھوٹ پڑی ہے۔ حکومت کو اپنی پالیسی بدلنی چاہیئے۔ حکومت
کو ضرور کچھ کرنا چاہیئے۔

"لیکن کیا کرنا چاہیئے؟"

اس سوال کا جواب نہ عوام کے پاس تھا اور نہ حکومت دے سکتی تھی بہر صورت
دونوں طرف یہ یقین کام کر رہا تھا کہ کچھ ہو رہا ہے۔ کچھ ہونے والا ہے اور کچھ ہو کر

رہے گا کئی ماہ تک عوام ریڈیو پر معمولی تغیّر و تبدل کے ساتھ حکومت کی طرف سے اس قسم کے اعلانات سنتے رہے "آج اتنے گھنٹے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کا مشترکہ اجلاس ہوتا رہا اور اس کے بعد اتنے گھنٹے ایگزیکٹو کونسل کی میٹنگ ہوتی رہی۔ حکومت عوام کی زبوں حالی پر سخت بے چین ہے اور عنقریب ایسی تجاویز کا اعلان کرنے والی ہے جو ہمیشہ کے لیے پبلک کو جانوروں کی تباہ کاریوں سے بچا سکیں۔ پارلیمنٹ کے تمام ارکان ان تجاویز پر متفق ہو چکے ہیں لیکن ان کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک بہت بڑی رقم کی ضرورت ہے اور حکومت کے سامنے یہ سوال ہے کہ رقم کس طرح فراہم کی جائے بہر حال حکومت کو یہ یقین ہے کہ وہ اس مشکل کا کوئی نہ کوئی حل نکال لے گی۔ اور چند دن تک اس کا اعلان ہو جائے گا۔ اس لیے حکومت عوام سے یہ اپیل کرتی ہے کہ عوام مشتعل نہ ہوں اور مظاہروں سے اجتناب کریں۔ حکومت کو یہ معلوم ہے کہ ملک کے بعض لوگ حکومت پاکستان کے اشاروں پر پانچویں کالم کا کام کر رہے ہیں اور عوام کو جیو ہتیا پر آمادہ کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں سے خبردار رہیئے۔

ایک دن حکومت نے ریڈیو پر عوام کو یہ خوشخبری دی کہ حکومت کی اسکیم مکمل ہو چکی ہے۔ کل دوپہر کے بارہ بجے راشٹرپتی جی وارادھا ریڈیو اسٹیشن سے اس اسکیم کا اعلان کریں گے کل دوپہر کے بارہ بجے۔

اگلے دن ٹھیک ۱۱ بجکر ۵ منٹ پر وارادھا کے ریڈیو اسٹیشن سے بندے ماترم ترانہ سنایا گیا۔ اس کے بعد ۱۲ بجکر ایک منٹ پر راشٹرپتی مہاراج کی تقریر شروع ہوئی۔

"میرے پیارے مترو! انسان کو ہر نیک کام کے لیے کوئی نہ کوئی تکلیف ضرور برداشت کرنی پڑتی ہے اور نیکی کا کام جس قدر بڑا ہو۔ اسی قدر تکلیف بھی زیادہ ہوتی ہے۔ جیو رکھشا ایک بہت بڑا کام تھا اور میں خوش ہوں کہ تم نے اس کام کے لیے ایسی تکلیفیں برداشت کیں جو صرف دیوتا برداشت کر سکتے ہیں۔

پرنتو اب یہ معاملہ نازک صورت اختیار کر گیا ہے۔ آپ کا یہ فرض تھا کہ آپ جیو رکھشا کریں اور حکومت کا فرض ہے کہ وہ اپنی رعایا کی حفاظت کرے۔ میں خوشی کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہوں کہ تم نے اپنا فرض پورا کیا اور دیوتا تم پر بہت خوش ہیں اب حکومت جو کچھ تمہارے لیے چاہتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ دیوتا اس پر بھی خوش ہوں گے۔ تم نے حکومت کو جیو رکھشا کے لیے ہاتھ اٹھانے پر مجبور کیا ہے۔ اب تمھیں خوش ہونا چاہیئے کہ حکومت نے تمھیں بعض تنگ کرنے والے جانوروں سے بچانے کے لیے ایک کامیاب اسکیم بنالی ہے۔ میں تمھیں یہ بتا دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر مہارشی گاندھی جی مہاراج کی پوتر آتما ہماری مدد نہ کرتی تو ہم ایسی اسکیم بنانے میں کامیاب نہ ہوتے۔ آپ اس اسکیم کے متعلق سننے کے لیے بہت بے چین ہوں گے۔ میں مختصر طور پر تمہارے سامنے یہ اسکیم پیش کرتا ہوں۔ مفصّل اسکیم چند دنوں تک چھپ کر کتاب کی شکل میں آپ کے پاس پہنچ جائے گی لیکن میں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم نے اس اسکیم میں اہنسا پرمو دھرما اور جیو رکھشا کے سنہری اصولوں کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے۔ اور اس اسکیم کی تکمیل پر پانچ کھرب پچاسی ارب اور ساٹھ کروڑ روپے خرچ آئیں گے آدھا خرچ حکومت برداشت کرے گی اور باقی عوام پر ڈالا جائے گا۔

اب میں اس اسکیم کا مختصر خاکہ پیش کرتا ہوں۔

۱۔ ہر بستی کے اردگرد ایک بیس فٹ اونچی دیوار بنائی جائے گی

اور اس دیوار کی حفاظت کے لیے ایک پندرہ فٹ گہری تیس فٹ چوڑی خندق کھودی جائے گی۔ لوگوں کی آمدورفت کے لیے خندق پر ایک پُل اور دیوار میں ایک گیٹ بنایا جائے گا لیکن یہ پُل ایسا ہوگا جسے خطرے کے وقت اوپر اٹھایا جاسکے گا یہ اسکیم صرف ان دیہات میں نافذ کی جائے گی جن کی آبادی دو ہزار سے زیادہ ہوگی چھوٹی بستیاں اس اسکیم سے اسی صورت میں فائدہ اٹھاسکیں گی جب کہ وہ کسی ایک گاؤں میں آباد ہو کر دو ہزار آبادی کی شرط پورا کرلیں۔ حکومت کو اس بات کا احساس ہے کہ ہر چھوٹی بستی کے لوگ دوسری بستی میں آباد ہونے کی بجائے دوسری بستیوں کے لوگوں سے یہ کہیں گے کہ وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر ان کے پاس چلے آئیں حکومت کے لیے ایسے جھگڑوں کا تصفیہ کرنا بہت مشکل ہوگا۔ اس لیے حکومت جھگڑے کی صورت میں اس گاؤں کے حق میں فیصلہ دے گی جو اس سکیم کے لیے سب سے زیادہ چندہ دے گا۔

شہروں میں فصیلوں کی دیوار پکی اینٹوں سے بنائی جائیں گی اور یہ بیس فٹ کی بجائے پچیس فٹ اونچی ہوں گی اور خندقیں بیس فٹ گہری اور چالیس فٹ چوڑی ہونگی۔ گیٹ بند کرنے اور کھولنے اور پُل اُٹھانے اور ڈالنے کے لیے بجلی کی قوت استعمال کی جائیگی۔ یہ اسکیم دنیا کی سب سے بڑی اسکیم ہے اور حکومت کی یہ خواہش ہے کہ یہ ایک سال کے اندر اندر مکمل ہو جائے لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے کہ عوام حکومت کے ساتھ پورا پورا تعاون کریں

اور فوج کے سپاہیوں اور حکومت کے تنخواہ دار مزدوروں کے علاوہ ملک کا ہر باشندہ جو ٹوکری اور بیلچہ اٹھا سکتا ہو۔ اس میں حصّہ لے حکومت ٹوکریاں بیلچے اور اوزار مفت مہیا کرنے کا ذمہ لیتی ہے لیکن پیشتر ازیں کہ حکومت کی تیاریاں مکمل ہوں۔ آپ لوگوں سے درخواست ہے کہ آپ اپنے اپنے گاؤں اور شہر میں یہ کام شروع کردیں اس صورت میں ایک سال کا کام چھ ماہ کے اندر اندر ہوسکتا ہے یہ کام بہت بڑا ہے اور میں بھگوان سے پرارتھنا کرتا ہوں کہ وہ آپ کی مدد کرے"۔

راشٹرپتی کی اس تقریر نے ہندواستھان کے ہر انسان کے دل میں دیوارِ چین کے معماروں کی سی مستعدی پیدا کردی۔ مایوس اور زبوں حال انسان زندگی کی کھوئی ہوئی مسرتوں کی تلاش میں۔ پہاڑوں کے سینے چیرنے اور سمندروں کی گہرائی پاٹنے کی قوت کا مظاہرہ کرنے لگے۔ ایک غیر معمولی عزم اور ہمت کے علاوہ سورگ باشی مہاتما گاندھی جی کی آتما اُن کے پشت پر تھی۔ آئے دن خندقوں کی گہرائی اور دیواروں کی بلندی میں اضافہ ہونے لگا لیکن چند دنوں کے بعد جانور بھی انسانوں کے اس مشغلے میں دلچسپی لینے لگے۔

انھوں نے صدیوں کے بعد اپنی برادری کے ترقی یافتہ رکن کی قربت حاصل کی تھی۔ اپنے صدیوں سے بچھڑے ہوئے بھائی سے ملنے کے بعد ان کے لیے دوئی کے پردے ناقابلِ برداشت تھے جو خندقوں اور دیواروں کی صورت میں نمودار ہورہے تھے۔ اپنی آنکھوں کے سامنے "اکھنڈ بھارت" کو ہزاروں "پاکستانوں" میں تبدیل ہوتا دیکھنا ان کے لیے صبر آزما تھا۔ سب سے زیادہ انسان کی اس تنگ نظری سے متاثر ہونے والا جانور کی برادری کا وہ قبیلہ تھا جو ماسکو کے سائنسدانوں کی نگاہ میں حیوانیت اور انسانیت کے درمیان ارتقائی مدارج کو ایک حیرت انگیز رفتار کے ساتھ طے کررہا تھا۔ یہ بندر تھا۔

جس کے دل میں درختوں کو چھوڑ کر انسان کے بنائے ہوئے صاف ستھرے مکانوں پر قابض ہونے کی خواہش کروٹیں لے رہی تھی۔ کسی اور ملک کے بندر ہوتے تو شاید انسان کی اس سازش کو نہ سمجھ سکتے۔ لیکن یہ ہندوستان کے بندر تھے۔ جنھیں برسوں سے انسان کی ہم نشینی کا شرف حاصل تھا جو یہ محسوس کرتے تھے کہ اس ملک پر انسان کے اقتدار کے دن گنے جا چکے ہیں۔ چنانچہ وہ اچانک اٹھ کھڑے ہوئے اور انسان کی تعمیری صلاحیتوں کے مقابلہ میں اپنی بے پناہ تخریبی قوتوں کا مظاہرہ کرنے لگے۔ انسان خندقیں کھودتے اور وہ اس میں مٹی بھر دیتے۔ انسان دیواروں پر اینٹیں رکھتے اور وہ انھیں اکھاڑ کر نیچے پھینک دیتے جہاں تعمیر کے لیے ایک ہاتھ اٹھتا۔ وہاں تخریب کے لیے دو دو سو ہاتھ بلند ہوتے اور تین ماہ تک خندقوں کی گہرائی اور دیواروں کی بلندی قریباً ایک ہی سطح پر رہی۔

عوام ہیجان

حکومت کی اس اسکیم کی ناکامی نے عوام کو بہت بددل کر دیا۔ دیہاتی لوگ چاروں اطراف سے سمٹ کر شہروں میں جمع ہونے لگے۔ چند مہینوں میں اناج کی رہی سہی منڈیاں اور کھانے پینے کی اشیاء کے گودام خالی ہوگئے۔ دودھ دینے والے جانوروں کی کمی نہ تھی لیکن ملک کے طول و عرض میں سرسبز چراگاہیں اجڑ جانے پر مویشیوں کے دودھ میں کمی ہوگئی تھی۔ مویشی ایک مدت سے گھریلو زندگی چھوڑ کر جنگل کی زندگی اختیار کرنے کے بعد بڑی مشکل سے دودھ دوہنے والوں کے قابو آتے تھے۔ بکریاں اگر نرغے میں آجائیں تو ان کی مرضی کے خلاف بھی ان کا دودھ نکال لیا جاتا۔ لیکن گایوں میں بلا کی سرکشی آچکی تھی وہ اپنی مدافعت کے لیے اپنے سینگ بھی استعمال کرتیں اور پچھلی ٹانگوں سے بھی کام لیتیں اگر کوئی شریف گائے مہا پرشوں کے نرغے میں آجاتی تو ہانپتے کانپتے دودھ کی ایک دو دھاریں دینے کے بعد ہرن کی طرح چوکڑی بھرتی اور پکڑنے والوں کو اِدھر اُدھر پچھاڑ کر بھاگ جاتی۔

اس معاملہ میں سب سے زیادہ پریشانی کا باعث بندر تھے انسانوں کی طرح دودھ کو بھی دنیا کی سب سے بڑی نعمت سمجھنے لگ گئے تھے اور اس نعمت کو حاصل کرنے کے لیے جو طریقے وہ اختیار کرتے تھے اگر وہ انسانوں کے لیے باعثِ تکلیف نہ

ہوتے تو یقیناً قابل تعریف تھے۔ بکریاں، بھیڑیں اور باقی چھوٹے چھوٹے جانور اُن کے سامنے بے بس تھے۔ دو تین بندر بکری کو پکڑتے اور ایک پچھلی ٹانگوں کے ساتھ پلٹ کر دودھ پی لیتا۔ سرکش گائے کو رام کرنے کے لیے وہ زیادہ تعداد میں حملہ آور ہوتے۔ بعض اوقات کسی گائے بکری یا بھینس کا دودھ حاصل کرنے کے لیے آدمیوں کا مقابلہ ہو جاتا اور بندر انسانوں کے عدم تشدد کا احترام نہ کرتے ہوئے تشدد پر اُتر آتے۔ ان کے کپڑے پھاڑ ڈالتے۔ ان کے بال نوچتے اور ان کے برتن چھین لیتے تاہم مویشی تعداد میں بہت زیادہ تھے اور دودھ کا وہ حصّہ جو بندروں کی ضرورت سے زائد ہوتا وہ انسانوں کے کام آجاتا لیکن جب دیہات کے فاقہ مست لوگوں نے شہروں کا رخ کرنا شروع کیا تو شہر کے باشندے آہستہ آہستہ دودھ سے محروم ہونے لگے۔ شہر کے لوگوں کو یہ بھی معلوم ہونے لگا کہ دیہاتی لوگ بھوک کی حالت میں عدم تشدد کا سنہری قانون بھول جاتے ہیں اور جب دودھ کے لیے ان کا بندروں سے مقابلہ ہوتا ہے تو وہ بعض اوقات بندروں کی ہڈی پسلی توڑنے سے بھی دریغ نہیں کرتے اور مقابلے میں عام طور پر بندروں کو پسپا ہونا پڑتا ہے۔ وہ بندروں کی گوشمالی پر تو شاید خوش ہوتے لیکن انھیں سب سے بڑی شکایت یہ تھی کہ وہ جتنا دودھ حاصل کر لیتے ہیں خود ہی پی جاتے ہیں۔ اور شہری آبادی کا کوئی لحاظ نہیں رکھتے وہ پولیس والوں کو رشوت کے دودھ میں حصّہ دار بنا لیتے تھے۔ اس لیے پولیس ان کی تشدد پسندی پر چشم پوشی کرتی تھی لیکن چند دن کے بعد ایک نیا مسئلہ پیدا ہوا۔ اور وہ یہ تھا کہ بندر دیہاتی لوگوں سے ہار مان کر ایک خطرناک چال چل رہے تھے۔ وہ شہر کے دروازہ کے آس پاس درختوں اور مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر بیٹھ جاتے اور جب جنگلی درندوں سے خوف زدہ ہو کر مویشیوں کا کوئی گروہ شہر کی جانب آنکلتا، تو یہ چھلانگیں لگا کر ہر جانور پر سوار ہو جائے اور ان کا رُخ بدل کر

کر انھیں شہروں سے باہر لے جاتے اور کوئی محفوظ جگہ دیکھ کر ان کا دودھ پی لیتے اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ اوّل تو جانور شہروں میں گھستے ہی نہ تھے اور اگر آتے بھی تو دودھ سے خالی۔ شہروں کے باشندوں نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ جب تک دیہاتی لوگ شہروں میں موجود ہیں۔ بندروں کی انتقامی کارروائی جاری رہے گی۔

ایک خوشگوار تبدیلی

شہری آبادی کے پُرزور احتجاج اور شہروں کے اخبارات کی لے دے پر حکومت نے تحریری اجازت کے بغیر دیہاتی لوگوں کا شہر میں داخل ہونا ممنوع قرار دیا اور پولیس کو حکم دیا کہ وہ شہروں کی سڑکوں اور بازاروں میں پڑے ہوئے دیہاتیوں کو زبردستی نکال دے۔

دیہاتیوں نے مظاہرے کیے۔ لاٹھیاں کھائیں اور بالآخر فوج اور پولیس کی متحدہ کوششوں سے شہروں کو خالی کر دیے۔ بستیوں میں اُن کے مکانات اب جنگلی جانوروں اور سانپوں کے مسکن بن چکے تھے اور اُن کے لیے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ حکومت نے ان کی مصیبت کا احساس کرتے ہوئے پارلیمنٹ کا ہنگامی اجلاس بُلایا۔ قریباً آٹھ گھنٹے کی گرما گرم بحث کے بعد پارلیمنٹ کے ممبروں کی اکثریت اس بات کے حق میں تھی کہ موجودہ حکومت صورتِ حالات کا مقابلہ کرنے میں ناکام ثابت ہوئی ہے اس لیے اُسے نئی کابینہ کے لیے جگہ خالی کرنا چاہیئے۔ اگلے دن تمام اخبارات میں پرانے راشٹرپتی اور اس کے کابینہ کے مستعفی ہونے اور نئے راشٹرپتی کے انتخاب کی خبر شائع ہوئی تیسرے دن نئے راشٹرپتی کے دستخطوں کے ساتھ سرکاری اعلان شائع ہوا وہ یہ تھا:-

اس ملک میں جانوروں کی بڑھتی ہوئی آبادی کے باعث شہروں اور دیہات کے

باشندوں کی تکالیف کا احساس کرتے ہوئے حکومت ملک کے تین بڑے پروہتوں اور مہاگورو کی اجازت کے بعد یہ اعلان کرتی ہے۔

(۱) کہ جانوروں کو توپوں اور بندوقوں کی آواز سے ڈرایا جا سکتا ہے اس مقصد کے لیئے پٹاخے اور آتش بازی کے گولے بھی استعمال کیے جا سکتے ہیں اور اگر ضرورت پڑے تو بندروں کی قسم کے سرکش جانوروں کو ڈرانے کے لیے دوسرے اوزار بھی استعمال کیے جا سکتے ہیں لیکن یہ ضروری ہے کہ یہ تمام اوزار کُند ہوں اگر کوئی جانور غلطی سے زخمی ہو جائے تو زخمی کرنے والے کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اسے اپنے گھر میں لے جا کر علاج کرے۔

چوہوں کو پکڑنے والے پنجرے استعمال کیے جا سکتے ہیں لیکن یہ ضروری ہے کہ جو چوہے گھروں سے پکڑے جائیں انھیں جنگل میں زندہ چھوڑ دیا جائے۔ سانپوں کے لیے حکومت ایک اسکیم پر غور کر رہی ہے اور عنقریب اس کا اعلان کیا جائے گا۔

اس اعلان کے تین ماہ بعد ہر شہر اور ہر گاؤں میں چھوٹی چھوٹی توپیں نصب کی جا چکی تھیں اور ان کی دھنا دھن سے جانور کوسوں دور بھاگتے تھے۔ توپیں چلانے کا کام پولیس اور فوج کے سپاہیوں کے سپرد تھا جب وہ دور سے جانوروں کا لشکر دیکھتے توپیں داغ دیتے اور جانور خوف زدہ ہو کر بھاگ جاتے کھیتوں کی حفاظت کے لیے کسانوں میں پٹاخے اور ہوائیاں وغیرہ تقسیم کی گئی تھیں یہ بھارت کی تاریخ کا سنہری زمانہ تھا لیکن یہ زمانہ صرف چند ماہ تھا۔ آہستہ آہستہ جانوروں کو اطمینان ہونے لگا کہ پٹاخے اور توپوں اور بندوقوں کے خالی فائر ان کا کچھ نہیں بگاڑتے۔ چنانچہ پہل بندروں کی طرف سے ہوئی اور باقی جانوروں نے ان کی تقلید کی لیکن لوگ چند ماہ کے وقفہ سے فائدہ اٹھا کر دیہات اور شہروں کے گرد خندقیں کھود چکے تھے۔ بندر ان خندقوں کو پُر کرنے کے لیے پُل تو نہ بنا سکے۔ لیکن انھیں ایک عجیب تدبیر سوجھی وہ رات کے وقت اونٹوں پر سوار ہو کر انھیں تنگ کرتے اور ہانکتے ہوئے شہروں اور بستیوں کی طرف لے آتے

اور انھیں بدحواس کر کے خندقوں میں گرا دیتے اور پھر اس کے اُوپر سے کودتے ہوئے خندق کے دوسرے کنارے جا پہنچتے۔ تھوڑے عرصہ میں باقی جانور بھی انسانوں سے بے تکلّف ہو گئے اور بے پرواہ ہو کر دیہات کے آس پاس چرنے لگے۔ بعض کھیت خاردار تاروں سے محفوظ کیے جا چکے تھے لیکن باقی کھیتوں کی فصلیں مویشیوں نے تباہ کر ڈالیں۔ ہاتھیوں کے سامنے خاردار باڑ بے معنی ثابت ہوئی۔ وہ سونڈوں کے ساتھ لکڑی کے کھمبے جن کے ساتھ یہ تار منسلک تھے۔ اکھاڑ پھینکتے اور باقی جانوروں کے لیے صلائے عام کا نعرہ لگاتے ہوئے کھیتوں میں گھس جاتے۔

جنگلی درندوں نے شہروں اور دیہات کی خندقوں سے جو فائدہ اٹھایا وہ کسی کے وہم گمان میں بھی نہ تھا۔ شیر چیتے اور بھیڑیئے وغیرہ توپوں اور پٹاخوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنا شکار شہر اور بستیوں کی طرف گھیر لاتے اور انھیں خندقوں میں کودنے پر مجبور کر دیتے۔ اور پھر بڑے اطمینان سے وہ چند جانوروں کو مار کر اور چند کو زخمی اور ادھموا کر کے چھوڑ دیتے اور اونٹوں وغیرہ سے سیڑھیوں کا کام لیتے ہوئے خندقوں سے باہر نکل آتے اس کے بعد کتے چیلیں اور گیدڑ ضیافتیں اڑاتے لیکن شکار پھر بھی بچ رہتا اور خندقیں تدریجاً بھرنے لگیں۔ تعفن کی بدولت وبائیں پھیلنے لگیں اور لوگوں کا ناک میں دم آنے لگا۔ چنانچہ لوگوں نے جس مستعدی کے ساتھ خندقیں کھودی تھیں اس سے کہیں زیادہ مستعدی کے ساتھ انھیں پُر کرنے لگے۔

چور بازار

۲۰۱۵ء میں یورپ اور امریکہ کے سائنسدان مریخ تک پہنچنے کی سر توڑ کوشش کر رہے تھے لیکن ہندواستھان کے بہترین دماغ فقط جانوروں سے نجات حاصل کرنے کی تدابیر پر غور کر رہے تھے۔

پاکستان کی سرحد سے متصل علاقوں کے باشندوں کے متعلق ہندواستھان کی حکومت کو ایک مدّت سے یہ خیال تھا کہ وہ کسی خفیہ تحریک کے زیر اثر اپنی جنم بھومی چھوڑ کر پاکستان میں آباد ہو رہے ہیں اور سرحد عبور کرنے والوں کی روک تھام کے لیے حکومت کی کوئی تدابیر کامیاب نہیں ہوتی۔

بات دراصل یہ تھی کہ ان علاقوں کے باشندے پاکستان کے سرحدی علاقوں سے خفیہ تجارت کر کے کافی مال دار ہو چکے تھے۔ پاکستان میں زندگی کی تمام ضروریات کی فراوانی تھی لیکن گوشت بہت مہنگا تھا۔ پاکستان کے گوشت خور باشندے ایک مرغی دس روپے اور ایک اچھی بھیڑ اور بکری سو روپیہ (۱۰۰) تک خرید لیتے تھے ہندواستھان کی سرحد کے باشندے ایک مدت تک جیو ہتیا کے اصول پر کاربند رہے۔ لیکن جانوروں کی بڑھتی ہوئی آبادی کے باعث سبزی اور غلّے کا قحط ہونے لگا تو انتہائی مجبوری کی حالت میں بعض لوگ رات کے وقت جانوروں کو پکڑ کر سرحد کے پار لے جاتے اور انھیں پاکستان

کے باشندوں کے پاس فروخت کرکے اس کے عوض غلّہ وغیرہ لے آتے۔ وہ اس ناجائز کمائی کا کچھ حصّہ سرحد کے حکّام کی نذر کردیتے اور وہ اس کے عوض ان کے لیے سرحد عبور کرنے کے لیے سہولتیں مہیا کرتے اور آہستہ آہستہ ہندواستھان کی سرحد کے اکثر باشندے اس تجارت سے ہاتھ رنگنے لگے۔ وہ چھپ چھپ کر ایک آدھ جانور کو اغوا کرنے کی بجائے ہزاروں جانوروں کے ریوڑ ہانک ہانک کر سرحد کے پار پہنچانے لگے۔ انھیں پاکستان کے شہروں اور بستیوں میں جانے کی ضرورت نہ پڑتی۔ پاکستان کے باشندے ہر وقت ان کے استقبال کے لیے سرحد پر موجود رہتے اور منٹوں میں تمام مال کی قیمتیں چکا دیتے۔ پاکستان کے تاجر انھیں جانوروں کے بدلے پیسے اور غلّہ دینے کے علاوہ پرندوں کو پکڑنے کیلئے جال اور جانوروں کو جکڑنے کے لیے رسیاں وغیرہ مفت مہیا کرتے تھے۔ مقامی حکّام نے مرکزی حکومت کے بعض عہدیداروں کو بھی اپنے ساتھ گانٹھ رکھا تھا اس لیے مرکزی حکومت کی طرف سے انسدادی کارروائی اس وقت شروع ہوئی جب جانوروں کے مختلف قبائل کو یہ اچھی طرح معلوم ہو چکا تھا کہ ان کے سرحدی سرپرست جیو رکھشا کے سنہری اصولوں کی خلاف ورزی کر رہے ہیں اور ان کی برادری کا جو گروہ اپنے لیے سرحد کی چراگاہیں منتخب کرتا ہے واپس نہیں لوٹتا۔

سرحد کے باشندوں کو خود بھی یہ احساس تھا کہ وہ کسی نہ کسی دن حکومت کے قہر و غضب کا شکار ہوں گے چنانچہ جب حکومت نے سرحد کے تمام افسروں کو تبدیل کرکے ان کی جگہ نئے افسر بھیجنے شروع کیے اور انھوں نے عوام کے گھروں سے غلّے کے گوداموں اور روپے کی تجوریوں کی تلاشی شروع کردی تو وہ اپنی دولت سمیٹ کر پاکستان میں آباد ہونے لگے۔ زیادہ دوراندیش لوگ پہلے ہی اپنی کمائی سے پاکستان میں رہائش کے لیے مکانات وغیرہ خرید چکے تھے اور پاکستان کے سرحدی حکّام سے تعلقات پیدا کرچکے تھے اس لیے انھیں ہجرت میں کوئی تکلیف نہ ہوئی۔

یکم جون ۲۰۱۳ء کو واردھا کے مشہور اخبار "ہمارا دیش" میں پارلیمنٹ کے ایک ممبر کا مضمون شائع ہوا ہے۔

"سرحد کے باشندوں میں راکشش پاکستانیوں کی روح آچکی ہے افسوس ہے کہ مرکزی حکومت کو گزشتہ پندرہ برس میں یہ علم نہ ہوسکا کہ سرحد کے باشندے لاکھوں جانور پاکستانیوں کے پاس فروخت کرچکے ہیں اور اس ناجائز آمدنی سے پاکستان میں جائیدادیں خرید چکے ہیں اور اب جب حکومت ان سے بازپرس کر رہی ہے وہ بھاگ بھاگ کر پاکستان میں آباد ہو رہے ہیں۔ اب تک جو اطلاعات موصول ہوئی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک قریباً تین لاکھ انسان پاکستان میں آباد ہو چکے ہیں اور دو لاکھ ایسے ہیں جنھوں نے وہاں جائیدادیں خرید رکھی ہیں اور بھاگ جانے کے لیے موقع کی تلاش میں ہیں حکومت کو چاہیئے کہ جو لوگ بھاگ گئے ہیں ان کی جائیدادیں ضبط کرے اور جو پاکستان میں جائیدادیں خریدنے کے بعد بھاگنے کی کوشش میں ہیں انھیں سخت سزائیں دے۔ اس کے علاوہ وہ حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کرے کہ پاکستان میں ہمارے ملک کے باشندوں نے جو جائیدادیں خریدی ہیں انھیں ضبط کرکے ہماری حکومت کے حوالے کردے۔"

اس زمانہ میں ترقی پسندوں کا لیڈر مسٹر جے رام جو تین بار قید کاٹ کر پھر آزاد ہو چکا تھا۔ خاموش نہ رہ سکا۔ اس نے پچاس ہزار انسانوں کے اجتماع میں حسبِ عادت ایک پُرجوش تقریر کرتے ہوئے کہا:

"سرحد کے لوگوں نے ہمیں زندہ رہنے کا راستہ دکھا دیا ہے اب حکومت کو چاہیئے کہ وہ ملک کے تمام باشندوں کو جانوروں کی تجارت کرنے کی اجازت دے دے تاکہ بھوک سے مرنے والے لوگ اگر گوشت نہیں کھا سکتے تو غلّہ ہی حاصل کرلیں اس کے علاوہ اس نے پاکستان کی حکومت سے انسانیت کے نام پر اپیل کی کہ وہ ان لوگوں کی جو اپنا ملک چھوڑ کر پاکستان میں آباد ہو رہے ہیں، ہر طرح حفاظت کرے اور ان کی جائیدادیں

ضبط کر کے ہندواستھان کی حکومت کے حوالے نہ کرے۔ مقرّر نے سرحد کے لوگوں کو بھی یہ ہدایت کی کہ وہ حکومت کی مداخلت کی پرواہ نہ کریں اور پاکستان کے ساتھ اپنا تجارتی کاروبار جاری رکھیں لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ ملک کے اُن باشندوں کو جو سرحد سے دور ہیں۔ اپنی آمدنی کا حصّہ سمجھیں اور جانوروں کو فروخت کر کے جو فالتو غلّہ وہ حاصل کریں۔ اسے اپنے فاقہ مست بھائیوں میں تقسیم کریں۔

گوشت خوروں کے مہمان

جے رام کی تقریر کے چند دن بعد ہندواستھان کے تمام اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ سرحد کے اضلاع سے مزید دو لاکھ انسان پاکستان کی طرف فرار ہو گئے ہیں اور اپنے ساتھ دس لاکھ بھیڑ بکریاں، ڈیڑھ لاکھ گائیں۔ بھینسیں اور بیس ہزار گھوڑے اور گدھے لے گئے ان کے ساتھ بعض چوکیوں کے سپاہی بھی سرحد عبور کر گئے ہیں ہر گھوڑے اور گدھے پر اُن کے ضروری سامان کے علاوہ مرغیوں اور دوسرے پرندوں کے ٹوکرے بھی تھے۔ سرحد کے سپاہیوں نے انھیں روکنے کی کوشش کی لیکن انھوں نے انھیں مار بھگایا۔ پاکستان کی منڈی کے حساب سے ان تمام جانوروں کی قیمت بارہ کروڑ روپیہ سے زائد تھی۔ ہندواستھان کی حکومت نے حکومتِ پاکستان سے پُرزور مطالبہ کیا کہ وہ پاکستان میں آباد ہونے والے تمام ہندواستھانیوں کو ان کے حوالے کر دے۔ اور وہ جائیدادیں بھی ضبط کر کے انھیں دے دے۔ جو انھوں نے پاکستان میں خریدی ہیں۔

لیکن پاکستان کے عوام مصیبت کے وقت اپنے ان بھائیوں کا ساتھ چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔ جن کی مہربانی سے ملک میں گوشت چار روپے سیر سے سوا روپیہ سیر ہو گیا تھا۔ قریباً تمام اخباروں میں لکھا جاتا تھا کہ یہ ہمارے مہمان ہیں اور مہمانوں کی اعانت ہمارا فرض ہے۔

حکومتِ پاکستان کے انکار پر ہندوستھان کی حکومت نے پاکستان کی حکومت کو ایک اور یادداشت روانہ کی کہ پاکستان میں ہندوستھان کے مہاجرین نے جو جائیداد خریدی ہے وہ جانوروں کی ناجائز فروخت سے تھی اور یہ جانور سرکاری تھے۔ اس لیے پاکستان کی حکومت اگر انھیں واپس نہیں بھیجنا چاہتی تو اس کا یہ فرض ہے کہ یہ تمام جائیداد جس کی مالیت کا اندازہ پانچ ارب روپیہ ہے حکومت ہندوستھان کے حوالے کر دے۔

لیکن اس وقت تک ہندوستھان کے پناہ گزین پاکستان میں مضبوطی سے پاؤں جما چکے تھے۔ لاہور سے وہ ایک روزانہ اخبار بھی نکال چکے تھے اور اس اخبار کی بدولت ان کا مسئلہ ایک عالمگیر مسئلہ بن چکا تھا۔

مسلمانوں کے علاوہ پاکستان کے غیر مسلم باشندوں نے بھی ہندوستھان کی حکومت کے مطالبات پر سخت بے چینی کا اظہار کیا اور اپنے اخبارات کے کالم اس موضوع کے لیے وقف کر دیئے۔ ہر شہر اور ہر بستی میں مظاہرے ہونے لگے اور حکومتِ پاکستان سے پُرزور مطالبہ کیا جانے لگا کہ وہ ان کے مصیبت زدہ بھائیوں کو جو ہندوستھان میں گاندھی کی بڑھتی ہوئی سفاکی سے پناہ لینے کے لیے پاکستان میں آباد ہوئے تھے اس حکومت کے حوالے نہ کرے جو جانوروں کو انسانوں سے زیادہ عزیز سمجھتی ہے۔

لاہور میں ہندو کانفرنس بلائی گئی جس میں قریباً دس لاکھ انسانوں نے شرکت کی اور مقامی ہندو لیڈروں کی تقریریں اور مسلم لیڈروں کی تائید کے بعد متفقہ طور پر قراردادیں پاس کی گئیں۔

۱۔ یہ اجلاس ہندوستھان کی حکومت کے اس رویہ کی پُرزور مذمت کرتا ہے جو وہ پناہ گزینوں کے خلاف اختیار کرنا چاہتی ہے اور حکومتِ پاکستان سے پُرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ملک کی ہندو آبادی کے جذبات کا پاس کرتے ہوئے پناہ گزینوں کو ہندوستھان کی حکومت کے حوالے نہ کرے۔

۲۔ یہ اجلاس سیکورٹی کونسل سے ان پناہ گزینوں کی جان و مال کے تحفظ کے

لیے فوری کارروائی کی استدعا کرتا ہے جو ہندوستھان میں گاندھی بھگتی کے بڑھتے ہوئے غلبہ کے باعث انسانوں کی طرح زندہ رہنے کے امکانات سے مایوس ہو کر اس ہمسایہ سلطنت میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے ہیں جس کے سو فیصدی باشندوں کو انھیں پناہ دینے پر کوئی اعتراض نہیں۔ حکومت ہند کے افسوسناک مطالبہ کو رد کرنے میں حکومتِ پاکستان کے تذبذب نے پاکستان کے باشندوں بالخصوص ہندوؤں کو سخت مضطرب کر رکھا ہے اور یہ خدشہ ہے کہ حکومت ہندوستھان کا دباؤ پاکستان کی حکومت کو ایسا فیصلہ کرنے پر آمادہ نہ کر دے جو پاکستان کی مسلم آبادی کے لیے ناقابل برداشت اور ہندو آبادی کے لیے انتہائی ناقابل برداشت اور پناہ گزینوں کی بربادی اور ہلاکت کا باعث ہو گا۔

۳۔ یہ اجلاس سیکورٹی کونسل پر اس امر کی وضاحت کرنا چاہتا ہے کہ ہندوستھان میں جانوروں کی بڑھتی ہوئی آبادی نے انسانوں کے لیے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے یہ جانور اس ملک کے انسانوں کے لیے ان نازیوں سے کئی ہزار مرتبہ زیادہ خطرناک ہیں جو گزشتہ صدی میں یورپ پر آندھی اور طوفان بن کر نازل ہوئے اس لیے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ جس طرح اقوامِ عالم نے نازیوں کے خلاف متحدہ محاذ بنایا تھا، اس طرح ان جانوروں کے خلاف متحدہ محاذ قائم کیا جائے ورنہ یہ خطرہ ہے کہ آئندہ پچاس سال تک جانور اس قدر زیادہ ہو جائیں گے کہ وہ ہندوستھان کی زمین کو اپنے لیے تنگ پا کر انسانی مدافعت کی تمام دیواروں کو توڑتے ہوئے ایشیا، یورپ اور افریقہ کے تمام ممالک کو ویران کر ڈالیں۔ انٹرنیشنل فوج کا جو روپیہ اس مہم میں خرچ آئے گا۔ اس سے کئی گنا

ان جانوروں کا گوشت کھائیں اور ہڈیاں بیچ کر وصول کر سکے گی۔"

۴۔ یہ اجلاس سیکورٹی کونسل کی توجہ اس امر پر مبذول کرتا ہے کہ ہندواستھان کی حکومت نے پاکستان میں پناہ لینے والے کسانوں کی ۳۲۸۴۷۵۰ ایکڑ زمین ضبط کر لی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ حکومت ہندواستھان پناہ گزینوں کو اس کی قیمت ادا کر دے اور یا پاکستان کی سرحد کے ساتھ اس قدر رقبہ ان کے لیے خالی کر دے اور یہ فیصلہ پناہ گزینوں پر چھوڑ دے کہ بعض شرائط کے ساتھ ہندواستھان میں رہنا پسند کرتے ہیں یا اس علاقہ کو پاکستان کے ساتھ ملحق کرنا چاہتے ہیں۔"

اگلے دن پاکستان کے صدر اعظم نے ریڈیو اسٹیشن سے حسب ذیل اعلان نشر کیا۔

"میں اپنی حکومت کی طرف سے یہ اعلان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ پارلیمنٹ نے پاکستان کی ہندو رائے عامہ کا احترام کرتے ہوئے یہ معاملہ پارلیمنٹ کے ہندو ممبروں پر مشتمل ایک کمیٹی کے سپرد کر دیا تھا اور میں مسلمان ممبروں کی طرف سے یہ یقین دلاتا تھا کہ یہ کمیٹی جو فیصلہ کرے گی وہ اس کی تائید کریں گے۔ پارلیمنٹ کے ہندو ممبروں کے علاوہ اس میں چار ہندو پروہت، چار ہندو جج اور دو ہندو اخبار نویس شامل کیے گئے تھے اور اسے یہ اختیار دیا گیا کہ وہ حکومت ہند کی یادداشت کا مناسب جواب تجویز کریں۔"

اس کمیٹی نے چند دن غور و خوض کے بعد حکومت کو اپنی رپورٹ پیش کی جس کا خلاصہ یہ تھا:

"یہ کمیٹی حکومت پاکستان سے پر زور سفارش کرتی ہے کہ وہ ہندواستھان کے پناہ گزینوں کو پاکستان میں شہری حقوق سے محروم نہ کرے۔ ہندواستھان کی حکومت کا یہ مطالبہ کہ پانچ ارب کی جائیداد جو انھوں نے ہمارے ملک میں خریدی ہے ان سے چھین کر ہندواستھان کے حوالے کی جائے انتہائی

نامعقول ہے۔ پناہ گزینوں کو اس بات کا حق تھا کہ وہ ایسے جانوروں کو جو اُن کے کھیتوں میں پلتے اور اُن کی فصلیں تباہ و برباد کرتے تھے بیچ کر اپنا پیٹ پالتے۔

اصل مسئلہ جو اس کمیٹی کے زیر غور ہے وہ یہ ہے کہ وہ ۳۲۸۴۷۵۰ ایکڑ زمین جو اُن کے پاکستان میں آباد ہونے کے بعد حکومت ہندواستھان نے ضبط کر لی ہے اس کا معاوضہ ادا کرنے کی صورت کیا ہونی چاہیئے۔ پاکستان میں زمین کی قیمت کے حساب سے اس زمین کی قیمت قریباً تین ارب روپیہ ہوتی ہے اس لیے ہندواستھان کی حکومت کے لیے پہلی صورت یہ ہے کہ وہ یہ رقم پناہ گزینوں کو ادا کر دے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس قدر علاقہ پاکستان کی سرحد پر خالی کر دے تاکہ پناہ گزین اگر ہندواستھان میں واپس نہ جانا چاہیں تو وہ اس علاقہ کو پاکستان میں شامل کر سکیں۔"

اس رپورٹ کے ایک سال بعد بین الاقوامی دباؤ کے زیر اثر ہندواستھان کے راشٹرپتی نے یہ اعلان کیا کہ اگر پناہ گزین واپس ہندواستھان آنا چاہیں تو انھیں ضبط شدہ اراضیات دی جائیں گی ورنہ حکومت دس روپے آٹھ آنے ۳ پائی فی ایکڑ کے حساب سے انھیں ضبط شدہ زمین کی قیمت ادا کر دے گی کیونکہ ہندواستھان کا کوئی کسان اُن کی زمین کو اس سے زیادہ قیمت پر خریدنے کے لیے تیار نہیں۔

اس اعلان کے چھ ماہ بعد سیکورٹی کونسل کی طرف سے مقرر شدہ تین ثالثوں کے سامنے پناہ گزینوں نے بیان دیتے ہوئے کہا کہ وہ حسب ذیل شرائط پر ہندواستھان میں دوبارہ آباد ہونے کے لیے تیار ہیں:

۱۔ انھیں اپنی اراضیات سے جنگلی جانوروں کو مار بھگانے کا پورا حق ہو۔

۲۔ انھیں پاکستان اور دوسرے ممالک میں جانوروں کو فروخت کرنے کی اجازت ہو۔

۳۔ دوبارہ ہجرت کی صورت میں انھیں اپنی پانچ ارب روپیہ کی جائداد جو انھوں

نے پاکستان میں خریدی ہے۔ فروخت کرنا پڑے گی اس لیے یہ ضروری ہے حکومتِ ہند انھیں اپنے مقررشدہ نرخ یعنی دس روپے آٹھ آنے تین پائی فی ایکڑ کے حساب سے مزید اراضیات دینے کے لیے تیار ہو۔

۴۔ ہندواستھان کی حکومت کے لیے اگر یہ تینوں شرائط ناقابلِ قبول ہوں تو آخری صورت یہی ہے کہ وہ سرحد پر ۳۲۸۴۷۵۰ ایکڑ زمین پناہ گزینوں کے لیے خالی کردے اور انھیں اجازت دے کہ وہ اس رقبہ کو پاکستان کا ایک ضلع بنا سکیں اگر حکومت ہند اس بات کے لیے تیار نہ ہوئی تو وہ اپنی جان پر کھیل جانے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔

ایک اور قافلہ

یہ تین ثالث سیکورٹی کونسل کے آئندہ اجلاس میں پناہ گزینوں کا مسئلہ پیش کرنے کا وعدہ اور انھیں پُرامن رہنے کی ہدایت کر کے روانہ ہوئے اس اجلاس میں ابھی تین ماہ باقی تھے کہ ہندواستھان کی حکومت کو ایک اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔

صوبہ جات متوسط سے دس لاکھ کسانوں کا ایک قافلہ ڈیڑھ کروڑ مویشیوں کا ریوڑ اپنے نرغے میں لے کر قریباً بیس میل فی دن کی رفتار سے پاکستان کی سرحد کا رُخ کر رہا تھا۔ پولیس اور فوج انھیں روکنے کے لیے ناکامی کا اعتراف کر چکی تھی۔ راستے کی بستیوں کے باشندے بھی اپنے اپنے حصے کے جانور سمیٹ کر اس قافلے کے ساتھ شامل ہو رہے تھے۔

سب سے زیادہ افسوس ناک خبر یہ تھی کہ سرحد پر پاکستان کے لاکھوں گوشت خور باشندے انسانوں سے زیادہ جانوروں کا منہ دیکھنے کے لیے اس قافلے کا انتظار کر رہے تھے اور پناہ گزین اپنے نوواد بھائیوں کے لیے پھولوں کے ہار لے کر سرحد پر کھڑے تھے اور اُن کے اشتیاق کا یہ عالم تھا کہ دُور سے اڑتی ہوئی گرد کو ہر بار اس قافلے کی آمد کا پیغام سمجھ کر وہ بیقرار ہو کر دوڑتے اور چند قدم ہندوستھان کی حدود میں گھس جاتے اور پولیس انھیں اپنی سنگینیں دکھا کر پھر واپس دھکیل دیتی۔ لوگوں کا بڑھتا ہوا جوش و خروش

دیکھ کر سرحد کے ایک ہندوستانی کمانڈر نے اپنے چیف کو ٹیلیفون کیا۔ چیف نے وزیر خارجہ کو خبر دی اس نے پاکستان میں ہندوستانی قونصل جنرل کو باخبر کیا۔ دوسرے دن پتہ چلا کہ پاکستان کے وزیر دفاع نے ایک ڈویژن فوج سرحد پر بھیج دی ہے۔

چند دنوں کے بعد مشتاق نگاہیں سرحد کے پار جانوروں اور انسانوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دیکھ رہی تھی۔ انسانوں کے آگے گرد کے لحاف میں لپٹا ہوا چوپاؤں کا ایک سیلاب تھا۔ پاکستان کے ایک ترقی پسند شاعر نے اس چشم دید منظر کو ان الفاظ میں قلم بند کیا تھا۔

دیکھئے صاحب وہ چوپاؤں کی فوجیں آگئیں
کہر میں لپٹے ہوئے دریا کی موجیں آگئیں
موج آوارہ ہے یا ابر بہار۔
ابرِ باراں!
آہ! بن جاتا ہے ساون میں جو شتر بے مہار
جانور تھے وہ کہ تھیں پریاں قطار اندر قطار
یہ من و سلویٰ نہیں تو پھر ہے کیا
اس سے بڑھ کر اور کیا ہے۔ رحمتِ پروردگار
دیکھئے صاحب وہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ہندوستان کی سرحدی چوکیاں اس طوفان کی آمد آمد کا غلغلہ سنتے ہی خالی ہو چکی تھیں۔ انھوں نے کچھ دور جا کر اس سیل ہمہ گیر کو روکنے کی کوشش کی۔ لیکن دس لاکھ انسانوں کا قافلہ جانوروں کو ایسی تربیت دے چکا تھا کہ وہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کی حس کھو چکے تھے۔ پاکستان اور ہندوستانی سرحدی چوکیوں کے درمیان یہ قافلہ رکا۔ پناہ گزینوں نے اپنے نووارد بھائیوں اور پاکستان کے باشندوں نے جانوروں کے گلے میں پھولوں

کے ہار ڈالے۔ پاکستانی سرحد کی افواج کو یہ ہدایت تھی کہ اس قافلے کو تاحکم ثانی پاکستان کی حدود میں داخل نہ ہونے دیا جائے لیکن پناہ گزینوں کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ دہلی سے فوج کے چار مسلح ڈویژن اُن کے تعاقب کے لیے روانہ ہو چکے ہیں اور عنقریب پہنچنے والے ہیں اس لیے وہ سرحد پار کرنے پر مصر تھے۔ پاکستانی عوام اُن کی حمایت پر تھے اور فوج پر دباؤ ڈال رہے تھے۔ فقط پاکستان کے سرحدی کسانوں کا ایک گروہ یہ واویلا کر رہا تھا کہ جانوروں کا یہ ٹڈی دل اگر سرحد کے پار پہنچ گیا تو آن کی آن میں ان کی کھیتیاں ویران کر دے گا لیکن اُن کی آواز سمندر کی طوفانی لہروں نے مقابلے میں ایک جھینگے کی چیخ و پکار تھی۔ پاکستان کی استقبالیہ کمیٹی کے لیڈر سرحدی افسروں سے دو گھنٹے سر کھپاتے رہے لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ اتنی دیر میں یہ پتہ چلا کہ ہندوستانی فوج کے ڈویژن سرحد کے اس مقام سے صرف تیس ۳۰ میل کے فاصلہ پر ہیں۔ پناہ گزینوں کے قافلے کو اس خبر نے بہت مایوس کر دیا تھا لیکن قدرت نے ان کی مدد کی۔

ایک بکری جس کی قوتِ شامہ غالباً باقی سب جانوروں سے تیز تھی بھاگ کر سرحد کے ایک ٹیلے پر چڑھ گئی۔ اس نے پاکستان کی سرزمین میں لہلہاتی کھیتیاں دیکھیں اور اپنی مادری زبان میں شور مچاتی ہوئی نیچے اتری۔ اس کی آواز سن کر گھوڑے ہنہنانے اور اونٹ بلبلانے لگے۔ گدھوں نے کان کھڑے کر لیے۔ لمبی لمبی تانیں نکالیں۔ غرض ہر قبیلے کا جانور اپنے ساتھی کو کچھ سمجھانے لگا۔ اچانک گھوڑے اِدھر اُدھر سے سمٹ کر سب سے آگے آ کھڑے ہوئے۔ ان کے پیچھے گائیں پھر گدھے۔ پھر دوسرے جانور اور سب پیچھے اونٹ کھڑے ہو گئے۔ یہ سب کچھ ایک حیرت انگیز سرعت کے ساتھ ہوا۔ پاکستان کی چوکیوں کے سپاہیوں کو قطعاً یہ خبر نہ تھی کہ کیا ہونے والا ہے لیکن پناہ گزین جو غالباً جانوروں کی بولیاں سمجھتے تھے۔ اب مطمئن تھے اچانک زمین میں ایک زلزلے کی سی کیفیت پیدا ہوئی۔ اٹھتے ہوئے غبار سے فضا تاریک ہو گئی اور جب گرد بیٹھ گئی تو لوگ

سرحد کے اس پار تین کروڑ چوپاؤں کو لہلہاتے کھیت تباہ و ویران کرتا دیکھ رہے تھے۔

آٹھ دن کے بعد پاکستان کی فوج اور پولیس صورتِ حالات پر قابو پانے میں کامیاب ہوئی اتنے عرصہ میں تین کروڑ جانور کئی میلوں تک فصلیں ویران کر چکے تھے۔

سرحدی کسانوں کا ایک وفد لاہور جانے کی تیاری کر رہا تھا لیکن استقبالیہ کمیٹی کے صدر نے پناہ گزینوں کے قافلہ سالار سے بات چیت کرنے کے بعد سرحدی کسانوں کو تسلی دی کہ اُن کا نقصان پورا کیا جائے گا۔ چونکہ پاکستان میں اناج سے کہیں زیادہ گوشت دودھ اور مکھن کی مانگ تھی۔ اس لیے کسانوں نے یہ پیش کش خوشی سے منظور کر لی۔ قریباً تین لاکھ مویشی ان میں تقسیم کیے گئے اور اس کے بعد جانوروں کی عام نیلامی شروع ہوئی اور پاکستان کے چاروں اطراف سے خریدار جوق در جوق سرحد پہنچنے لگے۔ پاکستان میں گوشت چار آنے سیر تک پہنچ چکا تھا اور استقبالیہ کمیٹی کے صدر نے اس بات کا خدشہ ظاہر کیا کہ پناہ گزینوں کا تمام تر اثاثہ یہی جانور ہیں۔ اس لیے اگر وہ اُن کی معقول قیمت حاصل نہ کر سکے تو انھیں بہت صدمہ ہوگا۔ پاکستان کے ڈائریکٹر محکمۂ خوراک رسانی نے سفارش کی کہ اگر پناہ گزینوں کو اپنے تیس فیصدی جانور باہر کی منڈیوں میں فروخت کرنے کی اجازت دی جائے تو بہتر ہوگا۔ آئندہ سال تمام جانوروں کو چارہ مہیا نہیں کیا جا سکے گا۔ امریکہ اور برطانیہ کے سفیروں نے اپنی حکومتوں کی طرف سے درخواست پیش کی کہ انھیں فالتو جانور خریدنے کی اجازت دی جائے۔

حکومتِ پاکستان نے چند دنوں کے غور و خوض کے بعد یہ درخواستیں منظور کر لیں اور انھیں تیس[30] فیصدی جانور خریدنے کی اجازت دے دی امریکہ اور برطانیہ سے دو مشہور بوچڑخانے لاہور میں منتقل کیے گئے اور پناہ گزینوں نے محسوس کیا کہ اگر وہ تمام جانور سفید فام گوشت خوروں کے پاس بیچ سکتے تو انھیں دوگنا رقم وصول ہوئی۔

ایک نئی ریاست

پانچ سال کے بعد پاکستان کی سرحد کے ساتھ آزاد ہند کے نام سے ایک نئی ریاست جس میں سو فیصدی ہندواستھان کے پناہ گزین آباد تھے۔ پاکستان کا ایک صوبہ بن چکی تھی اور پاکستان کی سرحد چند میل جنوب کی طرف سرک چکی تھی۔ ہندواستھان کی حکومت پاکستان کی حکومت کے ساتھ سیاسی تعلقات منقطع کر چکی تھی۔ دونوں ممالک میں آمدورفت بند تھی۔ حکومتِ ہند سرحد کے ساتھ ساتھ بیس[20] میل چوڑے علاقے میں باہر کے ممالک کے باشندوں کی آمدورفت ممنوع قرار دے چکی تھی۔ ہندواستھان کی سرحد کے ساتھ ساتھ ایک دیوار کی تعمیر شروع ہو چکی تھی اور حکومتِ پاکستان کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اس دیوار کی بنیادیں کھودنے سے پہلے حکومتِ ہند اپنی دس سالہ تعمیری اسکیم کے لیے امریکہ سے نوّے ارب ڈالر قرضہ حاصل کر چکی ہے۔ تین سال میں یہ دیوار بن چکی تھی اور دو سال گزرنے کے بعد حکومت ہند کی انتہائی رازداری کے باوجود پاکستان کی حکومت کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اس دیوار سے ایک میل پیچھے لاکھوں مزدور بڑے بڑے گودام بنا رہے ہیں۔ ایک امریکن ہواباز نے اس علاقے پر پرواز کرنے کے بعد گلوب ایجنسی کو بیان دیا کہ سیاسی مبصرین کا یہ خیال غلط ہے کہ ہندواستھان، پاکستان پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے یا وہ پاکستان کے حملے کے خوف سے کوئی مضبوط ڈیفنس لائنیں بنا رہے ہیں

یہ گودام جن پر گھاس پھونس کے چھپر ڈالے جا رہے ہیں۔ نہ دفاعی مورچوں کا کام دے سکتے ہیں اور نہ حملہ آور افواج کے لیے مفید مستقر بن سکتے ہیں۔ بعض گودام تو بالکل بانس کے جھونپڑے دکھائی دیتے ہیں۔ ان گوداموں کے آگے جو دیوار کھڑی کی گئی ہے وہ اس قابل بھی نہیں کہ تیز آندھی کے سامنے کھڑی رہ سکے، بہرحال ہندواستھان نے ان تعمیرات پر اپنے تمام ذرائع وقف کر دیئے ہیں اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی یہ کارروائی بے مقصد ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ مکانات جو پایۂ تکمیل کو پہنچنے کے بعد شاید ایک ارب سے زیادہ انسانوں کی رہائش کے لیے کافی ہوں گے اس لیے بنائے جا رہے ہوں کہ وہاں سردی اور بارش میں جنگلی جانور پناہ لے سکیں اگر امریکہ نے اس ملک کو اس قسم کی تعمیری اسکیم کے لیے قرضہ دیا ہے تو ہر سنجیدہ آدمی کو اس بات کا افسوس ہونا چاہیئے۔"

ان وسیع مکانات کی تعمیر سے چند ماہ بعد پاکستان کی سرحدی چوکیوں کے ایک ذمہ دار افسر نے بعض سپاہیوں کے اس بیان کی تصدیق کی کہ دیوارِ ہند کے عقب سے کبھی کبھی طرح طرح کے جانوروں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ پاکستان کے چند اخباری نمائندوں نے سرحد کی سیاحت کے بعد واپس لوٹ کر یہ بیان دیا کہ انھوں نے پاکستان کی سرحدی چوکیوں سے بے شمار گیدڑوں، ہاتھیوں، شیروں اور دوسرے جانوروں کی آوازیں سنی ہیں۔

امریکہ کے ایک وفد نے دہلی پہنچ کر ہندواستھان کی سرحد کے دفاعی مورچوں کو دیکھنے کی اجازت حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن حکومت نے انکار کر دیا یہ وفد سمندر کے راستے کراچی پہنچا اور پاکستان کی سرحد پر دور سے آواز سننے کے آلات کی مدد سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ دیوار کے پیچھے غیر آباد مکانوں میں جانور آباد ہو گئے ہیں لیکن انھوں نے اس بات پر تعجب ظاہر کیا کہ ایک مقام سے متواتر شیروں کی گرج سنائی دیتی ہے

اور اس کے ساتھ ہی دوسرے مقام سے ہر وقت بکریوں اور بھیڑوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ شیر بکریوں کی لے دے سے بے نیاز ہے، اور بکریاں شیروں کی گرج سے بے پرواہ۔

ایک امریکن نے پریشان ہو کر یہاں تک کہہ دیا کہ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ ہندواستھان کے درندے بھی اہنسا پرمودھرما پر ایمان لا چکے ہیں۔

مریخ سے پہلا پیغام

اکیسویں ۲۱ صدی کا سب سے بڑا کارنامہ مریخ کی دریافت تھی۔ ۲۱۳۰ء میں ایٹم کی قوّت سے چلنے والا پہلا طیارہ مریخ پر پہنچا۔ سیاحوں کو وہاں کی آب و ہوا کچھ ایسی راس آئی کہ انھوں نے واپس لوٹنے کی بجائے وہیں سے بذریعہ لاسلکی یہ پیغام بھیج دیا کہ مریخ کی زمین آسٹریلیا کی زمین سے بھی زرخیز ہے۔ اس سیارے کے تمام باشندے کسی اور سیارے پر جا کر آباد ہو گئے ہیں ان کے مکانات اور کھانے پینے کے برتنوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں بڑے سے بڑے قد کا آدمی ڈیڑھ فٹ سے زیادہ نہیں ہوگا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سائنس میں وہ زمین کے باشندوں سے ایک ہزار برس آگے تھے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ سائنس میں وہ زمین کے باشندوں سے ایک ہزار برس آگے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی عجیب و غریب مشینوں کی بدولت اہلِ زمین کی حرکات و سکنات اچھی طرح دیکھ سکتے تھے اور انھیں ہمارے مریخ تک پہنچنے کے ارادے کا علم ہو چکا تھا لیکن ان کا مریخ چھوڑ کر کسی نامعلوم سیارے پر پہنچ جانا یہ قطعاً ظاہر نہیں کرتا ہے کہ وہ اہلِ زمین کی جنگجو فطرت سے خائف تھے کیونکہ ان کی ایجادات نہ صرف مریخ کی مدافعت کے لیے کافی تھیں بلکہ وہ گھر بیٹھے بھی زمین پر ہمارے تمام ہوائی جہاز اور اسلحہ جات تباہ کر سکتے تھے۔

ان کا اچانک مریخ پر پہنچ جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ اُن کے نقل و حمل کے ذرائع لامحدود تھے۔ ہجرت سے قبل وہ اپنی تمام ایجادات جنھیں انسان خطرناک مقاصد کے لیے استعمال کر سکتا تھا۔ ضائع کر گئے ہیں۔ لیکن وہ ہر شے جو ہمارے لیے ضروری ہے یہاں موجود ہے۔ یہاں صرف ایک مرکزی بجلی گھر ہے جو دوسرے ستاروں سے بجلی کھینچتا ہے اور مریخ کا کوئی کونہ ایسا نہیں جہاں بجلی کے تار نہیں پہنچے۔ ہر جگہ بجلی کی طاقت سے کاشت کاری ہو سکتی ہے یہاں کے ایک ایکڑ کی پیداوار زمین کے دو ایکڑ سے زیادہ ہے۔ مریخ پر باغات کی کثرت اور فصلوں کی کمی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ زیادہ تر پھل ہی کھاتے تھے۔ باغات کے علاوہ زمین کے باقی وسیع میدان میں یا تو ایک نرم سبز خوشبودار گھاس اُگا ہوا ہے اور یا مہکتے ہوئے پھولوں کی کیاریاں ہیں ان کیاریوں کے درمیان شہد بھی ان لوگوں کی غذا کا ضروری حصہ تھا۔ باغات اور میدانوں میں بہنے والی ندیاں اور دریا بالکل متوازی ہیں۔ پرندے نہایت خوش رنگ ہیں۔ دودھ دینے والا جانور چھوٹے بالوں والی ہندوستانی بکری سے بہت مشابہ ہے لیکن قد میں اُن سے چھوٹا ہے اس کے سینگ کالے ہیں باقی جسم دودھ کی طرح سفید ہے۔ یہ جانور بہت تھوڑے ہیں اور دو اونس سے زیادہ دودھ نہیں دیتے معلوم ہوتا ہے کہ مریخ کے باشندے جاتے وقت ان جانوروں کو بھی اپنے ساتھ لے گئے ہیں اس جانور کی قدر و قیمت ہمیں اب معلوم ہوئی ہے یہاں پہنچنے سے تین چار روز بعد ہمیں خارش شروع ہو گئی اور بال جھڑنے لگے اور وہ ادویات جو ہم زمین سے لائے تھے۔ بیکار ثابت ہوئیں۔ اس سیارے کی تمام جڑی بوٹیاں آزمانے کے بعد ہمارے ایک ساتھی نے اس جانور کا دودھ پینا شروع کیا تو بالوں کی بیماری جاتی رہی۔ ہم سب نے یہ نسخہ آزمایا تو ہمارے بالوں کی بیماری بھی جاتی رہی۔ لیکن خارش سے شفاء نہ ہوئی۔ ایک دن ہم نے اس کا گوشت کھایا۔ تو یہ بیماری بھی جاتی رہی۔

اب ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس جانور کا گوشت اس کے دودھ کی بجائے کہیں

زیادہ فائدہ مند ہے۔ دودھ صرف سر کے بالوں اور دماغ کے لیے مفید ہے لیکن گوشت
جسم کے تمام اعضاء کے لیے فائدہ مند ہے۔ ہم نے سینکڑوں میل چھان مارنے کے بعد بڑی
مشکل سے اس کمیاب نسل کے ڈیڑھ سو جانور جمع کیے ہیں۔

ہمارے ایک ساتھی کی رائے ہے کہ یہ جانور اور ہندواستھان کی چھوٹے بالوں والی
بکری ایک ہی نسل سے ہیں۔ قد اور رنگ کے معمولی فرق سے ان دونوں کے دودھ اور گوشت
کی تاثیر میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ہمارے دوسرے ساتھی ڈاکٹر الگزینڈر کی رائے ہے کہ مریخ میں رہنے والوں کی
غذا میں وٹامن x اور z (ایکس اور زیڈ) کا ہونا ضروری ہے اور یہ دونوں وٹامن مریخ کے
اس جانور اور ہندواستھانی چھوٹے بالوں والی بکری کے دودھ اور گوشت میں بدرجہ اتم موجود
ہوتے ہیں۔

ہمارا اندازہ ہے کہ اگر زمین کی نصف آبادی بھی اس سیارے پر منتقل کر دی جائے تو بھی
ایک ہزار سال تک جگہ کی تنگی محسوس نہیں ہوگی لیکن یہ ضروری ہے کہ آدمیوں کی آمد سے پہلے
بکریوں کی ایک اچھی خاصی تعداد یہاں لا کر بسائی جائے اگر ایک لاکھ بکریاں یہاں لا کر
رکھی جائیں تو ایک صدی میں وہ اتنی ہو جائیں گی کہ کروڑوں انسان ان پر گزارہ کر سکیں گے۔

ہماری متفقہ رائے ہے کہ اس قسم کی بکریاں ہندواستھان میں بے شمار ہیں اور مریخ
پر ان جانوروں کی افزائش نسل کے لیے ایک ہندواستھانی گاندھی بھگت سے زیادہ موزوں
اور کوئی نہیں ہو سکتا اگر دو چار لاکھ ہندواستھانی گاندھی بھگت بکریاں سمیت یہاں لا کر بسا
دی جائیں تو وہ ایک صدی میں نئی دنیا جانوروں سے بھر دیں گے۔ چونکہ گوشت کی یہاں بہت
کمی ہے اس لیے باقی دنیا کی گوشت خور اقوام میں سے کوئی ایسی نہیں جو دیانت داری کے
ساتھ یہاں بکریوں کی نسل بڑھانے کے لیے کام میں لائی جا سکے اگر سیکورٹی کونسل یہاں فوراً
انسانوں کو آباد کرنا چاہے تو یہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے ہندواستھان کی تمام بکریاں جن

کی تعداد اب اربوں میں گنی جانا چاہیئے۔ یہاں لا کر آباد کر دی جائیں۔

اس پیغام کی اشاعت سے چند ہفتے بعد یہ معلوم ہوا کہ بین الاقوامی انجمن میں ہندواستھانی
نمائندے نے مریخ کے لیے بکریاں دینے کا مطالبہ رد کر دیا ہے۔ اس نے صاف گوئی سے کام
لیتے ہوئے کہا کہ ہندواستھان کا کوئی باشندہ بکری ماتا کو ملک بدر کرنے کے لیے تیار نہ ہوگا ہم صرف
ایک جانور دے سکتے ہیں اور وہ اونٹ ہے۔

دیوارِ ہند کا راز

۱۰ مارچ ۲۰۵۰ء کو پاکستان کا وزیر خارجہ اپنے دفتر میں کچھ لکھ رہا تھا۔ ایک چپڑاسی نے آکر اطلاع دی کہ ایک ہندوستانی آپ سے ملنا چاہتا ہے کوئی ضروری خبر لے کر آیا ہے۔

وزیر خارجہ نے چپڑاسی کو دیکھے بغیر جواب دیا "اسے میرے سیکرٹری کے پاس لے جاؤ"

چپڑاسی نے جھجکتے ہوئے کہا "وہ کہتا ہے کہ میں صرف آپ سے ملوں گا یہ رقعہ دیا ہے" چپڑاسی نے ایک کاغذ کا پرزہ میز پر رکھ دیا۔

وزیر خارجہ نے کہا "نہیں نہیں یہ رقعہ سیکرٹری کے پاس لے جاؤ اور اسے کہو کہ اگر کوئی اہم بات ہو تو ملاقات کے لیے وقت دے دے۔ ورنہ میں بہت مصروف ہوں"

چپڑاسی نے کہا "حضور! لیکن وہ تو دھرنا مار کر آپ کے دفتر کے سامنے بیٹھ گیا ہے اور اٹھنے کا نام نہیں لیتا۔ میں نے اسے کہا تھا کہ چلیئے آپ کو سیکرٹری صاحب کے پاس لے چلتا ہوں لیکن وہ یہ کہتا ہے کہ میں کسی غیر ذمہ دار آدمی سے بات کرنے کے لیے تیار نہیں"

"تو اس کا خیال ہے کہ میرا سیکرٹری غیر ذمہ دار آدمی ہے" یہ کہتے ہوئے وزیر خارجہ نے بے پروائی سے کاغذ کا پرزہ اٹھایا لیکن ایک ہی نظر میں کاغذ پر مختصر سی تحریر دیکھ کر چونک اٹھا۔

بلاؤ اسے کہیں چلا نہ جائے لیکن ٹھہرو! اگر تم نے اس کے ساتھ کوئی گستاخی کی ہے تو معذرت کر لو"

چپڑاسی باہر نکل گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک بیس بائیس برس کا نوجوان کمرے میں داخل ہوا۔ وزیر خارجہ نے آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کیا اور اسے کرسی پیش کی۔

وزیر خارجہ نے کہا "تو آپ مسٹر سوراج نرائن ہیں"

نوجوان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "نہیں صاحب صرف سورج نرائن"

وزیر خارجہ نے ایک لمحہ کے تامل کے بعد کہا "اگر میری جگہ آپ ہوتے تو میری بے چینی قابلِ معافی سمجھتے۔ معاف کیجئے۔ آپ کا رقعہ پڑھنے کے بعد میں کسی تمہید کے بغیر پاکستان پر سرحد سے نازل ہونے والی مصیبت کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں۔ آپ نے سرحد کب عبور کی۔ اور دیوار کے پیچھے پرورش پانے والے طوفان کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟"

نوجوان نے جواب دیا "مجھے سرحد عبور کیے پانچ دن ہو چکے ہیں۔ میرے ساتھ جو گزری ہے وہ بعد میں عرض کروں گا۔ سر دست یہ کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں پاکستان میں اپنے ملک کے ساتھ غداری کی نیت سے نہیں آیا۔ میں آپ کو اس نیک سلوک کا صلہ دینا چاہتا ہوں جو آپ نے ہمارے ملک کے پناہ گزینوں کے ساتھ کیا ہے۔ میں یہ بتانا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے دادا نے سانپوں اور درندوں کے خلاف تقریر کی تھی اور اسے دس سال قید بامشقت کی سزا بھگتنی پڑی۔ میرے باپ نے یہ اعلان کیا تھا کہ پناہ گزینوں کو دوسرے ملک میں جانور بیچنے کا حق ہے اور اسے بارہ سال قید کی سزا ملی اور میں ایک باؤلا کتا اور بیس سانپ مار کر اپنے ملک سے بھاگ آیا ہوں۔ خیر میں ان باتوں سے آپ کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ آپ کے لیے سوچنے اور کام کرنے کے لیے بہت تھوڑا وقت ہے۔

مجھے صحیح تاریخ معلوم نہیں لیکن مجھے اتنا یقین ہے کہ موسم برسات کے آغاز سے پہلے کسی دن دیوار ہند کو ڈائنا مائیٹ سے اڑا دیا جائے گا اور پاکستان ایک ایسے طوفان کا سامنا کرے گا۔ جو آج تک بحر اوقیانوس کے کسی بادبانی جہاز نے بھی نہیں دیکھا۔ آپ یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ وہ طوفان کیا ہے؟"

سورج نرائن یہ کہہ کر بڑے اطمینان سے کمرے کی چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ وزیر خارجہ نے ملتجیانہ لہجے میں کہا۔ "بتائیے! صاحب بتائیے۔ میں بہت پریشان ہوں۔"

سورج نرائن نے کہا۔ "مجھے ڈر ہے کہ میں جو کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ آپ اس پر یقین نہیں کریں گے۔ خیر میں آپ سے چند سوالات پوچھتا ہوں۔"

"ہاں۔ ہاں پوچھئے۔"

سورج نرائن نے کہا۔ "اگر اس مکان کی چھت کے اوپر ایک تالاب ہو اور چھت پھٹ جائے۔ تو نیچے کیا گرے گا۔"

"یہ تو ایک بچّہ بھی بتا سکتا ہے پانی گرے گا۔"

سورج نرائن نے کہا۔ "اچھا صاحب یہ بتائیے کہ سرحد پر آپ کے پہرہ دار دیوار کے عقب سے ہر قسم کے جانوروں کی بولیاں سنتے ہیں!"

"جی ہاں، لاکھوں جانوروں کی بولیاں۔"

"لاکھوں نہیں اربوں کہیئے۔"

"ہاں صاحب معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں نے سرحد کے پار مستقل رہائش اختیار کر لی ہے۔"

لیکن آپ نے یہ نہیں سوچا کہ جنگل کے جانور مل جل کر رہنے کے عادی نہیں ہوتے اور دیوار کے عقب میں کوئی ایسا جنگل بھی نہیں جہاں یہ بیشمار جانور رہ سکیں۔"

وزیر خارجہ نے کہا۔ "ہمارے ملک کے بعض آدمیوں کا خیال ہے کہ دیوار کے عقب

میں جو گودام تعمیر کیے گئے ہیں وہاں جانور بسائے جا رہے ہیں۔ لیکن کیوں؟ یہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔"

سورج نرائن نے کہا۔ "یہی میں آپ کو بتانے آیا ہوں۔ آپ کو یاد ہے کہ چند برس قبل پاکستان کے ریڈیو نے اعلان کیا تھا کہ پناہ گزینوں کی بدانتظامی سے تین کروڑ جانور اچانک پاکستان کی زمین میں آگھسے اور انھوں نے بہت سا زرخیز علاقہ ویران کر دیا۔"

وزیر خارجہ نے جواب دیا۔ "ہاں، ہاں لیکن ان جانوروں میں سے بہت تھوڑی تعداد نے کسانوں کے نقصان کی تلافی کر دی تھی۔"

سورج نرائن نے کہا۔ "صاحب وہ تمام کارآمد جانور تھے لیکن اب ہماری حکومت جن جانوروں کی فوج سے آپ کے ملک پر حملہ کرنا چاہتی ہے۔ ان میں اگر بھیڑ، بکریاں اور گائیں ہوں گے تو درندے بھی ہوں گے اور یہ یقین کیجئے کہ وہ یہ اندازہ لگا چکے ہیں کہ پاکستان کو ویران کرنے کے لیے کتنے جانوروں کی ضرورت ہے اور اس اندازے سے دوگنا زیادہ جانور وہ دیوار کے پیچھے گوداموں میں جمع کر چکے ہیں اور جانوروں کی اس فوج میں چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک ہر مفید اور خطرناک جانور شامل ہے۔ حملے سے چند دن پہلے ان جانوروں کو بھوکا اور پیاسا رکھا جائے گا ویسے بھی اب وہاں اس فوج کے لیے راشن کے ذخیرے خالی ہو چکے ہیں۔ حملے کے دن ہندو استھانی سپاہی پٹاخے اور ہوائیاں لے کر گوداموں کے پیچھے کھڑے ہو جائیں گے اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ جانوروں کی حملہ آور فوج واپس لوٹ سکے گی کیونکہ واپس لوٹنے والے جانوروں کو روکنے کے لیے خاردار تار لگا دیئے گئے ہیں اس کے علاوہ گوداموں کے پیچھے ایک نالی مٹی کے تیل سے بھر دی گئی ہے حملہ اس طرح سے ہوگا۔ سب سے پہلے ڈائنا میٹ کے ساتھ دیوار اڑا دی جائے گی۔ اس کے بعد جانوروں کے تمام گوداموں کے دروازے بجلی کی طاقت سے کھل جائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی جانوروں کے عقب میں مٹی کے تیل کی نالی کو آگ لگا دی جائے گی۔

تاکہ کوئی جانور واپس نہ لوٹے اس نالی کے پیچھے ہندوستانی سپاہی توپیں پٹاخے اور ہوائیاں چلائیں گے تاکہ جانور پاکستان کی طرف تیزی سے قدم اٹھائیں اس بات کی پوری احتیاط کی گئی ہے کہ جانور آپس کے تصادم میں ہلاک نہ ہوں۔

سب سے آگے ہاتھی ہوں گے اُن کے پیچھے درندے بعد میں مویشی اور سب سے آخر میں سانپ ہوں گے۔ ان الفاظ کے ساتھ پاکستان میں میرا مشن ختم ہوتا ہے میں نے کسی اور سے اس لیے بات نہیں کی کہ وہ شاید اس راز کو اپنے دل میں نہ رکھ سکے آپ کے ہاں اخبارات کو بہت زیادہ آزادی ہے اس لیے میں آپ سے بھی یہ درخواست کروں گا کہ آپ کی طرف سے جو مدافعانہ کارروائی ہو۔ اس کی کسی کو خبر نہ ہو۔ اگر ہماری حکومت کو یہ شک بھی ہو گیا کہ آپ کوئی مدافعانہ کارروائی کر رہے ہیں تو وہ شاید حملے کے لیے چند ماہ اور انتظار نہ کرے۔"

اس ملاقات سے بیس منٹ بعد وزیر خارجہ کی کار صدر اعظم کی قیام پر رکی۔ وزیر خارجہ اور سورج نرائن کار سے اتر کر ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے اندر داخل ہوئے صدر اعظم نے سورج نرائن سے متعارف ہوتے ہی کابینہ وزارت کے ہنگامی اجلاس کی ضرورت محسوس کی اور تھوڑی دیر بعد مسٹر سورج نرائن پاکستان کے ارباب حل و عقد کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے تھے۔

وزیر دفاع نے اپنی تدابیر ظاہر کرنے سے پہلے مسٹر سورج نرائن سے پوچھا کہ ان کے خیال میں بہترین اقدام کیا ہوگا۔ مسٹر سورج نرائن نے جواب دیا "میں شاید اس بارے میں آپ کو کوئی مفید مشورہ نہ دے سکوں لیکن میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ آپ اپنی توپوں اور مشین گنوں سے ان تمام جانوروں کو جن کی تمام دنیا کو بہت ضرورت ہے ہلاک کرنے کی بجائے کوئی ایسا طریقہ اختیار کریں کہ انھیں زیادہ سے زیادہ تعداد میں زندہ پکڑا جا سکے۔ ہمارے ملک میں غلے کا قحط خطرناک صورت اختیار کر چکا ہے زیادہ آبادی کا گزارہ دودھ اور مکھن پر تھا۔

حکومت نے انتقامی جوش میں حملہ آور جانوروں میں گائیں اور بکریاں بھی شامل کر دی ہیں۔ اب وہاں بدترین قحط کا اندیشہ ہے یہ ظاہر ہے کہ تمام جانوروں میں سے نصف پر قابو پا لینے کے بعد پاکستان دنیا کا امیر ترین ملک بن جائے گا اور گوشت اور دودھ کے معاملے میں وہ نہ صرف خود صدیوں کے لیے بے نیاز ہو جائے بلکہ ان اشیاء کے لیے دنیا کی سب سے بڑی منڈی بن جائے گی۔ میرے اندازہ کے مطابق حملہ آور فوج میں ایک ارب سے زیادہ مرغیاں ہیں۔ اتنا بڑا فائدہ اٹھانے کے بعد آپ کا یہ اخلاقی فرض ہوگا کہ آپ ہمارے ملک کے فاقہ کش باشندوں کے متعلق تھوڑی بہت ذمہ داری محسوس کریں اور یہ طوفان گزر جانے کے بعد اپنے ملک کا تمام فالتو غلہ ہمارے دیش بھیج دیں جو سلوک آپ نے پناہ گزینوں کے ساتھ کیا ہے اس کے بعد ہمارے ملک کے ہر فاقہ کش کی نگاہ پاکستان کی طرف اٹھتی ہے عوام کو پاکستان کے خلاف حکومت کے ارادوں کا علم نہیں ورنہ وہ ان گوداموں کو پہلے ہی آگ لگا دیتے۔ ہمارے ملک میں انقلاب کی آگ سلگ رہی ہے اور عین ممکن ہے کہ اگر پاکستان کی طرف سے فاقہ کشوں کی تھوڑی بہت حوصلہ افزائی ہوئی تو صحیح خیال کے لوگ اس بچھوؤں اور سانپوں کی سرپرستی کرنے والی حکومت کا تختہ الٹ دیں۔ ایک چیز جس سے میں آپ کو خاص طور پر باخبر کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ اس فوج میں کتوں اور بندروں کی تعداد خاص طور پر زیادہ ہے اگر ان جانوروں میں سے کوئی ذبح کر والیس گیا تو مجھے ذاتی طور پر صدمہ ہوگا۔ ایک باؤلے کتے نے میرے چھوٹے بھائی کو کاٹ کھایا تھا وہ بیچارہ چل بسا اور میری چھوٹی چھ ماہ کی بھانجی کو ایک بندر نے درخت کی چوٹی پر لے جا کر نیچے پھینک دیا تھا۔"

طوفان کے بعد

۲۷ جون ۲۰۵۰ء

ہندوستان کا راشٹرپتی بے قراری سے
اپنے کمرے میں ٹہل رہا ہے۔ سیکرٹری داخل
ہوتا ہے۔

راشٹرپتی : (رک کر) تازہ اطلاع کیا ہے۔

سیکرٹری : مہاراج آج بہت سی اطلاعات آئی ہیں۔ آج پاکستان ریڈیو اور اخبارات نے اپنے منہ سے خاموشی کے قفل توڑے ہیں۔

پہلے میں آپ کے سامنے سرحد کے کمانڈر انچیف کی رپورٹ پیش کرتا ہوں وہ اس بات پر اظہارِ افسوس کرتے ہیں کہ حملہ سے ۴۸ گھنٹے کے بعد تیل ختم ہو جانے کی وجہ سے نالی کی آگ بجھ گئی تھی۔ اور چند زخمی درندے واپس لوٹ آئے ہیں۔

راشٹرپتی : چند کی کوئی بات نہیں آگے بتاؤ۔

سیکرٹری : ان کے علاوہ پچاس لاکھ کتے اور بیس لاکھ بندر واپس آ گئے ہیں۔ بندر اور کتے زیادہ تر گولیوں سے زخمی ہیں اور تھوڑے عرصے تک ان میں

سے اکثر مر جائیں گے لیکن بعض کے دم اور بعض کے کان کٹے ہوئے ہیں اور فوری طبی امداد سے انھیں بچایا جا سکتا ہے۔ کمانڈر انچیف نے مطالبہ کیا ہے کہ ضروری ادویات۔ پٹیاں اور بندروں اور کتوں کے علاج کے لیے تمام ماہرین سرحد بھیج دیئے ہیں۔ زخمی کتے اور بندر بہت دردناک آوازیں نکالتے ہیں۔

راشٹرپتی : یہ زخمی بندر اور کتے پچاس لاکھ اور بیس لاکھ کی بجائے پچاس ہزار اور بیس ہزار ہوں گے۔

سیکرٹری : مہاراج میرا بھی یہی خیال تھا اس لیے میں نے ٹیلیفون پر دوبارہ پوچھا تو بھی انھوں نے یہ کہا کہ جانور زیادہ ہو سکتے ہیں کم نہیں ہوں گے اور آج صبح پاکستان ریڈیو نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے۔

راشٹرپتی : میں آج ریڈیو نہ سن سکا۔ گزشتہ چار دن سے پاکستان ریڈیو حملہ کے متعلق بالکل خاموش تھا اور مجھے آج بھی اس کے بولنے کی توقع نہ تھی میں گاندھی جی کے مندر چلا گیا تھا۔ آج ان کی مورتی خوش خوش نظر آتی تھی۔ ہاں مجھے تمام خبریں سنا دو۔

سیکرٹری : میں نے تمام خبروں سے نوٹ حاصل کر لیے ہیں (فائل میز پر رکھ کر چند ورق نکالتا ہے)

راشٹرپتی : ٹھہرو مجھے ساری رپورٹ سنانے کی بجائے صرف میرے سوالات کا جواب دو۔ پہلا سوال یہ ہے کہ ہمارے ہاتھیوں نے کیا جوہر دکھائے؟

سیکرٹری : مہاراج ہاتھیوں کے متعلق پاکستان کی رپورٹ بہت حوصلہ شکن ہے انھوں نے اعلان کیا ہے کہ ہاتھیوں کو پکڑنے اور مارنے کا ٹھیکہ ایک امریکن فرم کو دے دیا گیا تھا۔ انھوں نے ۳۰ فیصدی ہاتھی زندہ پکڑ لیے ہیں۔ ساٹھ

فیصدی مار دیئے ہیں۔ صرف دس فیصدی زخمی ہوکر واپس لوٹے ہیں لیکن سرحد
کے کمانڈر انچیف کا کہنا ہے کہ زخمی ہوکر واپس لوٹنے والے ہاتھی صرف آٹھ فیصدی
ہیں۔ پاکستان ریڈیو نے یہ بھی اعلان کیا ہے۔ امریکن کمپنی نے انھیں زندہ ہاتھی کے
پانچ سو ڈالر اور مردہ ہاتھی کے ڈیڑھ سو ڈالر ادا کئے ہیں۔

راشٹرپتی: اور شیروں کے متعلق؟

سیکرٹری: شیروں کے متعلق پاکستان ریڈیو نے اعلان کیا ہے کہ ایک انگریزی فرم سے
ان کی کھالوں کا سودا ہو چکا ہے۔

راشٹرپتی: کھالوں کا سودا؟

سیکرٹری: جی ہاں! پاکستان ریڈیو نے اعلان کیا ہے کہ دنیا بھر میں صرف چار ہزار زندہ
شیروں کی مانگ تھی اس لیے انھیں زندہ پکڑنے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔

راشٹرپتی: اور چیتے، بھیڑیئے اور لومڑیاں؟

سیکرٹری: پاکستان ریڈیو نے اعلان کیا ہے کہ چیتے قریباً تمام مارے گئے ہیں اُن
کی کھالوں کی بہت مانگ ہے۔ بھیڑیئے مارے گئے ہیں اور کچھ واپس ہو گئے ہیں
لومڑیوں کی کھالیں اتارنے کا ٹھیکہ کسی روسی فرم نے چالیس کروڑ روبل کے عوض لے
لیا تھا۔

راشٹرپتی: معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا لشکر ابھی تک لاہور نہیں پہنچا ورنہ یہ ریڈیو اس طرح
بکواس نہ کرتا۔ ان سب کو چٹ کر جانے کے لیے ہمارے چوہے اور بلیاں کافی تھیں۔

سیکرٹری: ہاں مہاراج بلیوں اور چوہوں کے متعلق پاکستان ریڈیو نے یقیناً جھوٹ
بولا ہے۔

راشٹرپتی: کیا کہا انھوں نے؟

سیکرٹری: مہاراج لاہور ریڈیو نے اعلان کیا ہے کہ چوہوں کی دنیا میں کہیں بھی مانگ نہیں

اس لیے چوہوں کی نگرانی بلیوں کو سونپ دی گئی ہے۔ جب تک چوہے ختم نہیں
ہو جاتے۔ بلیاں ہمارے پاس مہمان رہیں گی۔ اس کے بعد کچھ بلیاں چین اور جاپان
نے مفت لینا قبول کی ہیں باقی ہندوستان واپس بھیج دی جائیں گی۔

راشٹرپتی: جھوٹ سراسر جھوٹ۔ ارے ان کو تباہ کرنے کے لیے تو ہماری مرغیاں
کافی تھیں۔

سیکرٹری: جی ہاں! لیکن مرغیوں کے متعلق بھی انھوں نے جھوٹ بولا ہے۔ انھوں نے
کہا ہے کہ مرغیوں کے لیے باہر کی مانگ اس قدر زیادہ ہے کہ وہ اسے پورا نہیں
کر سکتے۔

راشٹرپتی: سانپوں کے متعلق انھوں نے کیا کہا؟

سیکرٹری: مہاراج سانپوں کے متعلق انھوں نے سخت بے پرواہی سے اعلان کیا ہے کہ
وہ سرحد کے ساتھ صرف دو تین میل چوڑے علاقے میں گھوم رہے ہیں اور ان
پر تیزاب چھڑکا جا رہا ہے۔

راشٹرپتی: (غصے سے کانپتے ہوئے) پاپی! راکھشش۔

سیکرٹری: مہاراج سرحد کے کمانڈر انچیف نے یہ اطلاع دی ہے کہ بہت سے سانپ
واپس لوٹ رہے ہیں انھوں نے واپس لوٹنے والے چند کتوں اور بندروں کو
بھی ہلاک کر دیا ہے۔

راشٹرپتی: گھر میں پھوٹ۔ بھگوان ہم پر دیا کرے۔

سیکرٹری: بھگوان ہم پر دیا کرے۔

راشٹرپتی: لیکن یہ تمام خبریں بکواس ہیں۔ چوپاؤں کے متعلق تم نے کیا سنا؟

سیکرٹری: جی وہ یہ کہتے ہیں کہ کارآمد جانوروں میں سے ننانوے فیصدی زندہ پکڑ لیے گئے
ہیں۔ پوتر بکریوں کے متعلق انھوں نے یہ اعلان کیا ہے کہ انھیں مریخ آباد کرنے

کے لیے امریکہ کے سپرد کیا جائے گا۔ اس کے عوض پاکستان نے وہاں پر خاص مراعات حاصل کرلی ہیں۔

راشٹرپتی : ان کمبختوں نے اپنے کسی نقصان کا بھی ذکر کیا ہے یا نہیں۔

سیکرٹری : جی انھوں نے اس بات پر اظہارِ افسوس کیا ہے کہ جانوروں پر قابو پانے سے پہلے پانچ سو مرد، عورتیں اور بچے ہلاک ہو گئے تھے۔ کسانوں کا جو نقصان ہوا ہے۔ اس کے بدلے انھیں چار گنا زیادہ دیا جائے گا۔ انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ پاکستان کے پاس ایک سال کی ضرورت کے لیے غلّہ موجود ہے۔ روس، امریکہ اور آسٹریلیا نے جانوروں کے عوض اس قدر غلہ مہیا کرنے کا وعدہ کیا ہے کہ پاکستان کے کسانوں نے اپنی تمام فصلیں جانوروں کا پیٹ بھرنے کے لیے پیش کردی ہیں۔

راشٹرپتی : رات کو تم سوئے تھے؟

سیکرٹری : جی نہیں! میں ساری رات ریڈیو کے سامنے بیٹھا رہا تھا۔

راشٹرپتی : (ایک بلند قہقہہ لگاتے ہوئے) یہ تو سب ایک خواب ہوگا۔ (سیکرٹری کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے) تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔ تمھیں وہم ہوا ہے کہ تم نے یہ سب باتیں ریڈیو پر سُنی ہیں۔ کرسی پر بیٹھ جاؤ۔ میں ڈاکٹر کو بلاتا ہوں (ٹیلیفون اٹھاتے ہوئے) ہیلو! ڈاکٹر ودّیا ساگر! جلدی آیئے۔ میرے سیکرٹری کی طبیعت بہت خراب ہے۔

سیکرٹری : (کرسی سے اٹھتے ہوئے) مہاراج میں بالکل ٹھیک ہوں۔

راشٹرپتی : برخوردار تمھاری آنکھیں بہت سرخ ہیں۔ بیٹھ جاؤ (سیکرٹری پریشان سا ہو کر بیٹھ جاتا ہے) میں تم سے ناراض نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ تمھیں اپنے دیش سے کس قدر پریم ہے۔ تم اس حملے کا نتیجہ سننے کے لیے بہت بے قرار تھے۔ تم نے کئی دن آرام نہیں کیا۔ اس شاندار مہم کی ناکامی کے خدشات نے تمھارے دل و دماغ

پر بہت بُرا اثر کیا۔ تم نے جو کچھ وہم کی حالت میں دماغ سے سوچا تھا۔ وہی کچھ وہم کی حالت میں کانوں سے سنا۔ ورنہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ پاکستان ریڈیو پر چند دن کے بعد یا تو کوئی بولنے والا ہی نہیں ہوگا اور ہوگا بھی تو وہ یہی کہے گا کہ میں سرزمینِ پاکستان کا آخری باشندہ دنیا کو صرف یہ بتلانے کے لیے زندہ ہوں کہ پاکستان تباہ و برباد ہو چکا ہے اور میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ ہمیں یہ جیو ہتیا کی سزا ملی ہے

(ڈاکٹر ودیا ساگر داخل ہوتا ہے)

راشٹرپتی : (سیکرٹری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ڈاکٹر صاحب ان کا جلدی سے معائنہ کیجیے

سیکرٹری : جی، جی، میں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔

راشٹرپتی : (ذرا تلخ ہو کر) آپ خاموش رہیئے!

ڈاکٹر : (راشٹرپتی کی میز سے کتابیں ایک طرف ہٹاتے ہوئے سکرٹری کی طرف اشارہ کرتا ہے) آپ یہاں لیٹ جایئے۔

سیکرٹری : لیکن میں بالکل تندرست ہوں۔

راشٹرپتی : بس خاموش رہو۔ ڈاکٹر صاحب کا کہا مانو۔

(سیکرٹری میز پر لیٹ کر کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن ڈاکٹر جلدی سے اس کے منہ میں تھرمامیٹر ٹھونس دیتا ہے۔ پھر نبض پر ہاتھ رکھ کر گھڑی کی طرف دیکھتا ہے۔ نبض چھوڑ کر وہ تھرمامیٹر دیکھتا ہے۔ اس کے بعد دل کی حرکت کا معائنہ کرتا ہے ایک آلے کے ذریعے خون کا دباؤ دیکھتا ہے۔ اور آخر میں پیٹ کی انتڑیاں ٹٹولتا ہے۔

ڈاکٹر : یہ بالکل تندرست ہیں۔

سیکرٹری : (اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر سیکرٹری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ڈاکٹر صاحب آپ مریض کا معائنہ اوپر سے شروع کردیں۔

راشٹرپتی : (چلا کر) مہاراج میرا دماغ بالکل ٹھیک ہے۔

راشٹرپتی : برخوردار تم تھوڑی دیر خاموش نہیں رہ سکتے ؛

ڈاکٹر : مہاراج ان دنوں کسی کا بھی دماغی پریشانی میں مبتلا ہو جانا ناممکن نہیں، آج صبح پاکستانی ریڈیو کا غیر متوقع اعلان سن کر میرا دماغ بھی چکرا گیا تھا۔

راشٹرپتی : (چلا کر) پاکستان ریڈیو؟

ڈاکٹر : جی ہاں ! آپ نے نہیں سنا۔ انھوں نے بہت غلط پروپیگنڈا شروع کر دیا ہے

راشٹرپتی : کیا سنا آپ نے ؛

ڈاکٹر : انھوں نے کہا ہے کہ آئندہ بیس سال تک پاکستان کے باشندے ہر روز عید منائیں گے۔

سیکرٹری : (میز سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے) ڈاکٹر صاحب مہاراج کو یہ بتائیے کہ پچاس لاکھ کتے اور بیس لاکھ بندر زخمی ہو کر واپس لوٹ آئے ہیں۔ سانپ بھی عنقریب آنے والے ہیں۔ انھوں نے نوّے فیصدی جانور زندہ پکڑ لیے ہیں وہ پوتر بکریاں کو مریخ آباد کرنے کے لیے بھیج رہے ہیں۔

ڈاکٹر : میں نے یہ سب سنا ہے۔

راشٹرپتی : آپ نے بھی یہ سنا ہے۔

ڈاکٹر : جی ہاں ! ابھی جب آپ نے بلایا۔ میں پاکستان ریڈیو کا دوسرا اعلان سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ اونٹوں کی کچھ کھپت بلوچستان میں ہو سکے گی۔ باقی عراق اور عرب اور مصر کو مفت دیئے جائیں گے۔ ساٹھ فیصدی گھوڑے روس خرید رہا ہے۔ باقی ترکی ایران۔ عرب اور چین نے لے لیے ہیں۔ گدھے چین اور خراسان بھیجے جائیں گے۔ دودھ دینے والے جانوروں کا ہر سلطنت زیادہ سے زیادہ کوٹا حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ تصفیہ کے لیے ایک کمیٹی مقرر کر دی گئی ہے۔

راشٹرپتی : (کرسی پر بیٹھ کر آنکھیں بند کرتے ہوئے) ڈاکٹر۔ ڈاکٹر میری نبض دیکھو۔ کیا

میرا دماغ ٹھیک ہے۔ کیا میں ایک خواب نہیں دیکھ رہا۔ میں بھی چار راتیں نہیں سویا۔

(سیکرٹری اور ڈاکٹر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں
سیکرٹری اپنے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے راشٹرپتی کی طرف
اشارہ کرتا ہے۔ ڈاکٹر جلدی سے آگے بڑھ کر راشٹرپتی
کی نبض دیکھتا ہے۔)

ڈاکٹر : مہاراج آپ اطمینان کیجئے پاکستان کا یہ پروپیگنڈا سراسر جھوٹ ہے۔

راشٹرپتی : (آنکھیں کھول کر ڈاکٹر کی طرف دیکھتا ہے) اور پھر سیکرٹری کی طرف اشارہ کرتا ہے) ریڈیو آن کرو۔

سیکرٹری : (کمرے کے ایک کونے میں جا کر) مہاراج کونسا اسٹیشن !

راشٹرپتی : لاہور۔

(سیکرٹری بٹن گھماتا ہے۔ ریڈیو سے آواز نکلتی ہے)

اب آپ مسٹر سورج نرائن کی تقریر سنیں گے۔ مسٹر سورج نرائن پاکستان کے بہت بڑے محسن ہیں۔ اگر آپ ہماری حکومت کو بروقت مطلع نہ کرتے تو ہمیں ہندوستان سے اٹھنے والے طوفان پر قابو پانے میں بہت دقت ہوتی۔ اب آپ ان کی تقریر سنیئے :

(چند سیکنڈ کے وقفے کے بعد تقریر شروع ہوتی ہے۔)

"میں اپنے ہندوستانی بھائیوں کو مبارک باد دیتا ہوں کہ گزشتہ چند دنوں میں ہمارے دیش سے جانوروں کی ساٹھ فیصدی آبادی کم ہو گئی ہے ہمیں اس مصیبت سے نجات دلانے کے لیے جو کچھ حکومت پاکستان نے کیا ہے اس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں تاہم مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ کتوں اور بندروں کی ایک بہت بڑی تعداد ہمارے

دیش میں واپس چلی گئی ہے۔ میرے ہندواستھانی بھائیو! اب اطمینان کے اور چند سال جو تمھیں نصیب ہوں گے۔ وہ آپ کے پاکستانی بھائیوں کی چند دن کی محنت اور کارگزاری کا نتیجہ ہیں۔ اب یہ تمہارا فرض ہے کہ تم اپنے بل بوتے پر زندہ رہنا سیکھو۔ یاد رکھو! جانوروں کی نسل بڑھتے دیر نہیں لگتی۔ اس وقت بھی جو چالیس فیصدی جانور ہمارے ملک میں موجود ہیں۔ وہ ہماری ضرورت سے سو گنا زیادہ ہیں۔ اب تمہارے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ ان فالتو جانوروں کو ختم کر ڈالو۔ ورنہ یہ چند برس کے بعد تمھیں ختم کر ڈالیں گے۔ وہ حکومت جو تمہارے دشمنوں کو اس لیے پناہ دے رہی ہے کہ وہ آہستہ آہستہ تمہاری نسل ختم کر ڈالیں، تمہاری دشمن ہے۔ اس کا تختہ الٹ دو۔ اور اختیارات کی باگ ایسے لوگوں کے ہاتھ میں دے دو۔ جو باولے کتے کی کھوپڑی توڑنا اور زہریلے سانپ کا سر کچلنا جانتے ہوں۔ میں تمہارے جذبات سے واقف ہوں۔ تم نے اپنے بچوں کو شیروں اور چیتوں کا شکار بنتے دیکھا ہے۔ تم اناج کے ایک ایک دانے کو ترستے ہو اور تمہاری ہری بھری کھیتیاں۔ بکریاں۔ گائیں اور جنگلی جانور چٹ کر جاتے ہیں۔ ہمارا ملک طاعون کی بیماری کا دائمی مرکز بن چکا ہے۔ اب اگر تم چاہو تو ملک کو ان لعنتوں سے پاک کر سکتے ہو۔ تمہارے لیے دو ہی راستے ہیں ایک یہ کہ حکومت کے حکام کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بچے کھچے جانوروں کو ہلاک کر ڈالو۔ اور اگر تم اب تک اپنے ہاتھوں سے جانوروں کو مارنا پاپ سمجھتے ہو تو موجودہ حکومت کو بدل کر کوئی ایسی حکومت قائم کرو جو جانوروں کی سرپرستی کے خلاف ہو۔ اگر تم یہ کر سکو تو میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں پاکستان سے اتنے شکاری بھیج سکوں گا جو تین ماہ کے اندر اندر کارآمد جانوروں کو زندہ پکڑ کر لے جائیں گے۔ اور خطرناک جانوروں کو ہلاک کر ڈالیں گے میں یہ بھی وعدہ کرتا ہوں کہ پاکستان

کے ساتھ ہماری نئی حکومت کے سیاسی تعلقات بحال ہوتے ہی تمھیں ان جانوروں کے بدلے جن سے حکومت پاکستان بہت بڑا اقتصادی فائدہ اٹھا رہی ہے کروڑوں ٹن غلہ مفت بھیجا جائے گا۔ پاکستان کے صدرِ اعظم کے ساتھ میں آزاد ہند گورنمنٹ کے آنریری صدر ہونے کی حیثیت میں ایک تحریری معاہدہ کر چکا ہوں اور آج شام کے ۹ بجے صدرِ اعظم اس ریڈیو اسٹیشن سے تقریر کرتے ہوئے میرے اعلان کی تصدیق کریں گے۔

میرے متعلق آپ کو کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے میں کوئی بڑے سے بڑا عہدہ حاصل کرنے کی ہوس میں اپنے ملک کے ساتھ غداری کرنے کی بجائے اس کی آزادی کے لیے ایک سپاہی بن کر لڑنا اپنے لیے زیادہ باعث فخر سمجھوں گا۔ اس معاہدے کی پہلی شرط یہ ہے کہ نئی حکومت کے ساتھ سیاسی تعلقات بحال کرنے کے بعد پاکستان اس کی آزادی اور استقلال کا پورا پورا احترام کرے گا۔ اگر سرحد کے باشندوں نے خواہش ظاہر کی تو آزاد ہندو ریاست بھی ہندواستھان کو واپس دی جائے گی۔

بھائیو! میں ایک ہندواستھانی ہوں۔ ایک ایسا ہندواستھانی جو اپنے دیش کی زمین پر جانوروں کی بجائے انسانوں کا حق زیادہ سمجھتا ہو اگر تم میرے ساتھ متفق ہو تو ہمت کرو اور سانپ اور بچھو پالنے والی حکومت کا تختہ الٹ دو۔ جانوروں کی تباہ کاریوں سے سر چھپانے کے لیے جگہ تلاش کرنے والے کسانو! اور دیہاتی لوگو! تمہاری منزل واردھا ہے۔ ایک صدی سے واردھا کے ایوانِ حکومت پر جو جھنڈا لہرا رہا ہے اس پر بکری کا نشان ہے۔ اب اس جھنڈے پر قصاب کی تیز چھری کا نشان ہونا چاہیئے۔ دوستو! ہمت کرو۔ تمہارا نعرہ یہ ہونا چاہیئے واردھا چلو! میں کل پھر اسی اسٹیشن سے اسی وقت تقریر کروں گا۔"

راشٹرپتی: پاپی۔

ڈاکٹر: مہاپاپی۔

(سیکرٹری اپنے سر پر ہاتھ پھیرتا ہوا باہر نکل جاتا ہے۔
ہندواستھان کا وزیرِ صحتِ عامہ داخل ہوتا ہے)

وزیر: مہاراج معاف کیجیئے۔ میں ملاقات کی اجازت لئے بغیر چلا آیا۔ لیکن معاملہ بہت اہم ہے۔

راشٹرپتی: کوئی بات نہیں۔ کہیئے۔

وزیر: مہاراج آپ امریکہ کے صدر سے ٹیلیفون پر بات کریں۔ زخمی جانوروں بالخصوص کتوں اور بندروں کیلیئے ہمیں اسی کروڑ روپیہ کی پٹیاں اور ادویات درکار ہیں پاکستان ریڈیو نے اعلان کیا ہے کہ چند دن تک پاکستان میں بلیوں کا کام بھی ختم ہو جائے گا۔ اور وہ بھی مار پیٹ کر اس طرف دھکیل دی جائیں گی۔ ہمارے پاس ادویات اور پٹیوں کا سٹاک بہت کم ہے۔ میں نے ملک کے تمام ڈاکٹر سرحد بھیج دیئے ہیں لیکن وہ ضروری سامان کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔ آپ امریکہ کے صدر پر اس بات کا زور دیں کہ وہ ہمیں ہوائی جہازوں کے ذریعے یہ سامان بھیج دیں

راشٹرپتی: کیا آپ کے خیال میں امریکہ کے صدر نے پاکستان ریڈیو کے اعلانات نہیں سنے ہوں گے؟

وزیر: مہاراج یقیناً سنے ہوں گے

راشٹرپتی: اور آپ سوچ سکتے ہیں کہ اگر میں ٹیلیفون پر یہ نیا مطالبہ ان کے سامنے پیش کروں۔ تو وہ مجھے کیا جواب دیں گے؟

وزیر: وہ خوشی سے آپ کا مطالبہ پورا کریں گے۔

راشٹرپتی: آپ مجھ سے زیادہ بے وقوف ہیں۔

وزیر: مہاراج؟

راشٹرپتی: میں نے کہا ہے کہ آپ مجھ سے زیادہ بے وقوف ہیں۔ امریکہ کا صدر میرے اس مطالبے پر ایک خوفناک قہقہہ لگائے گا۔ اور آپ ریسیور سے دس قدم دور کھڑے ہو کر اس کی آواز سن سکیں گے۔

وزیر: تو مہاراج مجھے کیا کرنا چاہیئے؟

راشٹرپتی: یہ تمھیں ہندواستھان کا نیا راشٹرپتی بتلائے گا۔

(راشٹرپتی اٹھ کر باہر نکل جاتا ہے۔ وزیر پریشان ہو کر ڈاکٹر کی طرف دیکھتا ہے۔ ڈاکٹر اپنے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے اور دروازے کی طرف اشارہ کرتا ہے)

حرفِ آخر

اس کتاب کی تصنیف سے ڈیڑھ سال اور اشاعت سے قریباً چار ماہ بعد پاکستان معرض وجود میں آچکا تھا۔ تقسیم ہند سے تین سال بعد" ہندوستان" اور" پاکستان کے حالات سے دلچسپی رکھنے والے بعض حضرات کا دعویٰ ہے کہ بھارت کے متعلق مریخ ریڈیو کا پروپیگنڈا سراسر غلط ہے لیکن بعض ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں مریخ ریڈیو نے انتہائی غیر جانبداری سے کام لیا ہے اور اپنے اس دعویٰ کی تائید میں جو حضرات ایسی ان گنت اطلاعات پیش کرتے ہیں جو اب تک بھارت کے ذمہ دار اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں۔ میں بعض احباب کے اصرار پر ان میں سے چند اطلاعات کا خلاصہ پیش کر رہا ہوں کسی تبصرہ کے بغیر:-

زبان کا مسئلہ

پانی پت (بذریعہ) آل انڈیا ہندو مہا سبھا کے صدر ڈاکٹر کھارے گزشتہ دنوں یہاں آئے۔ رات کے ساڑھے آٹھ بجے انھوں نے حلقہ گراؤنڈ میں ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کانگرس پر کڑی نکتہ چینی کی اور کہا کہ ہمیں مکمل یقین ہے کہ بھارت میں ہندو راج ہو کر رہیگا۔ آپ نے کہا جب میں نے بریلی کا دورہ کیا تو اس دوران میں وہاں کے مسلمان ہم سے ملنے آئے انھوں نے ہم سے پوچھا کہ اگر بھارت میں ہندو راج ہو گیا تو ہماری کیا حالت ہو گی۔ ہم نے جواب دیا۔ آپ کو لازماً ہندو تہذیب اختیار کرنی ہو گی۔ اپنے بچّوں کے نام ہندی میں رکھنے

ہوں گے اور فارسی اور عربی کے نام ترک کر دیئے ہوں گے۔ تمام مذہبی رسوم اور نماز ہندی میں ادا کرنی ہوگی۔

(انجام)

چوہے

بمبئی کارپوریشن چوہوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے باعث انتہائی پریشانی کا سامنا کر رہی ہے۔ کارپوریشن کے ایک رکن نے یہ معلومات بہم پہنچائی ہیں کہ ان دنوں قریباً ۳۲ لاکھ چوہے تخریبی سرگرمیوں میں حصہ لے رہے ہیں اور آئے دن ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے یہ چوہے ہر سال کروڑوں روپے کا نقصان کرتے ہیں۔ کارپوریشن کے بعض ارکان مُصر ہیں کہ سماج کے ان دشمنوں کی سرکوبی کے لیے کوئی مؤثر قدم اٹھایا جائے لیکن اکثریت ابھی تک جیو ہتیا کے خلاف ہے۔

جنگلی گائیں

شملہ کے پہاڑی علاقوں میں قریباً بیس ہزار جنگلی گائیں تباہی مچا رہی ہیں۔

بندر

نیو دہلی۔ بندروں کی وجہ سے جو نقصان ہندوستان میں خوراک کی فصلوں اور اناج کو ہوتا ہے اس کا اندازہ یوں لگایا گیا ہے۔ یوپی میں ۲۵ کروڑ روپے سالانہ اور مشرقی پنجاب میں دس لاکھ روپے سالانہ قومی تعمیر کے محکموں پر مرکزی حکومت جس قدر روپیہ خرچ کرتی ہے۔ مذکورہ بالا رقوم کی میزان اس کا ایک چوتھائی ہے

دھولپور۔ ۲۳ اپریل۔ یہاں کے ایک باشندے نے حال میں ایک بندر کی شرارتوں سے تنگ آکر اس کو مار ڈالا تھا۔ اس پر یہاں کے بعض قدامت پرست ہندوؤں نے اسسٹنٹ کلکٹر سے بندر کو مار ڈالنے کے متعلق شکایت کی جب سرکاری طور پر اس سلسلہ میں اقدام نہیں کیا گیا تو ان لوگوں نے اس بندر کی ارتھی بنا کر اس کا ایک جلوس نکالا اور دریائے چمبا کے کنارے اس کا کریا کرم کیا۔

☆

بریلی۔ ۲۱ اکتوبر۔ جس طرح لکھنؤ میں بھیڑیوں اور لگڑ بھگوں نے آفت مچا رکھی

ہے۔ ایسے ہی یہاں بریلی میں بعض وحشی بندر آ گئے ہیں جن کی وجہ سے شہر میں پریشانی اور وحشت پھیلی ہوئی ہے۔ چند روز ہوئے ایک نسوانی اسکول کی کئی لڑکیوں پر حملہ کر کے بندروں نے ان کو زخمی کر دیا۔ کئی بچّوں کو بُری طرح مجروح کر چکے ہیں۔ دو دن ہوئے ایک بچّے کو جو پلنگ پر سو رہا تھا بندر اٹھا لے گئے اور اس کو بری طرح مجروح کیا کہ بچّے کی آنکھیں نکل آئیں یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ مقامی حکام نے شکاریوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ بندروں کو گولی مار دیں۔

☆

درندے

جبل پور ۲۵ اپریل (اے پ پ) گزشتہ ہفتہ کو یہاں پنچ ماری کے جنگل میں آگ لگ گئی اور دس میل تک پھیل گئی اس سے ۲۷ مکانات جل گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جنگل میں آگ لگ جانے کے باعث بہت سے جنگلی جانور شہر میں گھس آئے اور دو چیتے تو وزراء کے بنگلوں میں چلے آئے۔

☆

لکھنؤ ۲۵ ستمبر۔ یہاں ایک مکان میں ایک بہت بڑے لگڑ بھگے نے ایک چوکیدار پر حملہ کر دیا۔ واقعہ سے دس فٹ کے فاصلہ پر وزیر اعظم بھارت پنڈت جواہر لال نہرو کے داماد مسٹر فیروز گاندھی سوئے ہوئے تھے۔ (اے انٹ)

☆

لکھنؤ ۱۱ اکتوبر۔ ٹائمز آف انڈیا کے نامہ نگار نے اطلاع دی ہے کہ حکام کی طرف سے جو پیشہ ور شکاری لگڑ بھگوں کے شکار کے لیے مقرر کیے گئے تھے انھوں نے منی گڑھی میں شکار کا ریکارڈ قائم کیا ہے۔

تین لگڑ بھگے دھوئیں میں گھٹ کے مر گئے۔ چوتھا لگڑ بھگا اپنے غار میں ہی جل بھن کر خاک ہو گیا۔ ایک بھیڑیا کل رات گولی کا نشانہ بنا۔

پیشہ ور شکاریوں نے سات دن کی دوڑ دھوپ کے بعد ان کے غار کا پتہ چلا لیا۔ انھوں نے غار کے چاروں طرف آگ روشن کر دی اور اس کا یہ نتیجہ ظاہر ہوا۔ ایک لکڑ بھگے نے آگ کو پھلانگ جانے کی کوشش کی۔ اس نے ایک چھلانگ لگائی لیکن شعلوں نے اسے لپک لیا اور وہ جل بھن کے خاک ہو گیا۔

الہ آباد ۱۶ اکتوبر یہاں سے ۲۴ میل کے فاصلہ پر لکڑ بھگوں نے خوف زدہ کر رکھا ہے گزشتہ چار دن میں لکڑ بھگوں نے ایک پانچ سالہ لڑکی کو ہلاک کر دیا ایک نوجوان کو زخمی اور ایک بھیڑ کو ہلاک کر دیا اس کے علاوہ لکڑ بھگوں نے ایک بیل گاڑی پر حملہ کر کے ایک بیل کو بھی زخمی کر دیا۔ لکڑ بھگوں کو مارنے کے لیے ۲۱ فوجیوں کو تعینات کیا گیا ہے کہ وہ ان لکڑ بھگوں کو ختم کر دیں۔

لکھنؤ، ۲۷ ستمبر (اے پ) یو۔پی کے مختلف علاقوں سے جو اطلاعات یہاں پہنچی ہیں ان سے مترشح ہوتا ہے کہ ان علاقوں میں خونخوار بھیڑیوں نے کافی تباہی مچا رکھی ہے اس وقت تک ۵۲۰ بچے اور جوان درندوں کے ہاتھوں ختم ہو چکے ہیں۔ لکڑ بھگوں اور بھیڑیوں کے خلاف جنگ میں فوج بھی شریک ہو گئی ہے۔

عدمِ تشدد کا مظاہرہ

احمد آباد ۲۵ نومبر سرسبز اور لہلاتی ہوئی فصلوں کو تباہ کرنے والے ٹڈی دل کو ہلاک کرنے کے متعلق حکومت کی تحریک میں روڑے اٹکانے والے اور ٹڈیوں کو ہلاکت سے بچانے والے تیس اشخاص جو کہ گجرات کے ہمسایہ ضلع کے رہنے والے ہیں۔ اس وقت جیل میں قید ہیں۔ ٹڈیوں پر رحم کرنے کا اندھا مذہبی اعتقاد یہاں لوگوں میں اس قدر شدید ہے کہ حکومت کو ٹڈی مار تحریک چلانے میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

ٹڈی مار سرکاری دستہ جو کہ گول میں جراثیم کش سرکاری گودام میں کام کر دیا تھا کہ تیس اشخاص نے اس پر حملہ کر دیا۔

ویسا قصبہ دریائے بنارس کے اس پار ایک خاردار جھاڑی لگا دی گئی تھی تاکہ اس طرف سے

ٹڈی دل نہ آسکیں اور فصل محفوظ رہ سکے لیکن اندھے اعتقاد کے لوگوں نے مصنوعی جھاڑی کو اکھاڑ دیا اور ٹڈیوں کے لیے سرسبز فصل برباد کرنے کے لیے راستہ کھول دیا۔ سرکاری افسروں کو یہ شکایت ہے کہ ٹڈیوں کو ہلاک کرنے کی اسکیم میں انھیں عوام کا تعاون حاصل نہیں ہو رہا ہے۔ ٹڈیوں پر رحم کھانا اور انھیں مارنے سے روکنے کے کام کو لوگ ثواب سمجھتے ہیں ؂